از:

علامہ سیّد سُلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مجلس نشریاتِ اسلام

۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸

مطبوعہ شکیل پرنٹنگ پریس۔ کراچی

فہرست مضامین

حیات مالکؒ

عام حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ والمنۃ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ صاحب السنۃ وعلیٰ
آلہٖ واصحابہ وتابعیہ قامعی البدعۃ والفتنۃ

آج کل ملک میں علوم اسلامی کی طرف سے جو سرد مہری اور بے اعتنائی برتی جارہی ہے، اور جو انگریزی تعلیم کی وسعت کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے، اس کی روک تھام کے لئے مصلحین کے سامنے مختلف صورتیں پیش ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صورت یہ ہے کہ ملک میں تاریخ کا مذاق کسی قدر پیدا ہوگیا ہے۔ اکابر اسلام کی سوانحعمریوں کے پردے میں علومِ اسلامیہ کی تاریخ لکھی جائے اور اسی ضمن میں ضروری مسائل کی تشریح کی جائے

تمام دنیائے اسلام جن قوانینِ فقہی پر کاربند ہے، وہ چار اماموں کی طرف منسوب ہیں۔ **امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ابن حنبل** اُردو میں **سیرۃ النعمان** لکھی جاچکی ہے، اور امام رازی کی سیرہ الشافعی کا ترجمہ ہوچکا ہے، امام مالک جو فقیہ مدینۃ الرسول امام دار الہجرۃ اور بانی اول فن حدیث تھے اور مسلک حنفی کے علاوہ فقہ کے بقیہ تین مذاہب، جن کے سلسلہ کی شاخیں ہیں، اردو میں اب تک ان کے متعلق ایک حرف موجود نہیں۔

مجھ کو علم حدیث کی ابتدائے طلب سے امام موصوف اور ان کی **موطا** سے بدرجہ غایت عقیدت رہی ہے، اسی کا اثر تھا جس نے مجھے اس فرض کے انجام پر آمادہ کیا چنانچہ

طالب العلمی کے زمانہ میں، میں نے اس کا سلسلہ شروع کیا اور جنوری ۱۹۰۷ء کے الندوہ میں اس پر ایک مضمون لکھا، فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی کتاب کی تکمیل کا خیال ہوا، ابھی تصنیفات کا حصہ ختم ہوا تھا کہ حضرت الاستاذ نے وفات پائی اور دم نزع وصیت فرمائی کہ تمام کام چھوڑ کر سب سے پہلے سیرۃ نبوی صلعم کی تکمیل کی جائے۔ اس بنا پر جہاں تک حیاتِ مالک کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ قلم کا مسافر وہیں پہنچ کر رک گیا اور اب آئندہ اس کی تکمیل کی فرصت ہاتھ آنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے جو حصہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اس کو وقف ناظرین کیا جاتا ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد — ہر چہ گیرید مختصر گیرید

سید سلیمان ندوی

۳۰ اگست ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام ونسب وولادت

مالکؒ نام، ابوعبداللہ کنیت، امام دار الہجرۃ لقب، باپ کا نام انسؒ تھا سلسلۂ نسب یہ ہے، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر، بن عمر بن حارث بن غیمان بن جثیل، بن عمرو ابن حارث ذی اصبح[1]

امام مالک ایک خالص عرب خاندان سے تھے۔ جو جاہلیت و اسلام دونوں میں معزز تھا، بزرگوں کا وطن یمن تھا، مگر اسلام کے بعد مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کی، امام یمن کے اخیر خاندانِ شاہی یعنی حمیر کی شاخ "اصبح" سے تعلق رکھتے تھے، امام کے مورثِ اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے، اسی لئے ذی اصبح کے لقب سے وہ مشہور ہیں۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابوعامر عہد نبویؐ میں مشرف باسلام ہوئے۔ غالباً اس شرف اندوزی کی تاریخ نہایت قدیم ہے، یعنی ۲ھ کیونکہ قاضی ابوبکر بن العلا کی روایت ہے۔ کہ "ابوعامر بدر کے سوا تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے" لیکن محدثین کے نزدیک یہ ثابت نہیں۔ محدث ذہبی نے تجرید صحابہ میں ابوعامر اصبحی کا نام لے کر لکھا ہے۔ لم ار احداً ذکرہ فی الصحابۃ وقد کان فی زمن النبی صلعم ابن حجر نے اصابہ کی قسم ثالث (کنی) میں ابوعامر اصبحی کا نام لکھ کر ذہبی کی عبارت نقل کر دی ہے[2]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو آنحضرت صلعم سے شرفِ لقا حاصل نہیں ہوا تھا،

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی طبع فوتوغرافی یورپ لفظ اصبحی

[2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۹۷، کلکتہ

امام کے دادا مالک بن ابی عامر ایک جلیل القدر تابعی اور صحاح کے رواۃ میں داخل ہیں، حضرت عثمان رضی کے ساتھ ان کو ایک گونہ اختصاص تھا، اور اس قدر درجہ رکھتے تھے کہ وہ اُن سے اپنے لئے وظیفہ کے طالب[1] تھے، اسی بنا پر ان کو حضرت عثمان رضی سے نہایت محبت تھی سربکف جواں مردوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کو دشمنوں کے نرغہ سے اٹھاکر دفن کرنے کی خطرناک خدمت انجام دی تھی۔ ان میں ایک یہ بھی تھے۔ فنِ روایت وحدیث میں ان کو حضرت عمر، عثمان، طلحہ، عقیل بن ابی طالب، ابوہریرہ ام المومنین عائشہ اور دیگر صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، مدینہ کے مشہور فقیہ سلیمان بن یسار اور خود مالک کے بیٹوں نے اور دوسروں نے مالک سے حدیث سیکھی ہے، موطا میں بھی ان کی روایت سے حدیث ہے، امام نسائی نے ان کی توثیق بھی کی ہے، ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مالک بن ابی عامر کے تین بیٹے تھے انس امام مالک کے پدر بزرگوار اور ربیع اور ابوسہیل نافع، ابوسہیل نافع ایک بلند پایہ محدث تھے ثقاتِ تابعین اور ارکانِ حدیث میں ان کا شمار ہے۔ صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی سے اور تابعین میں اپنے باپ مالک، اور سعید بن المسیب، علی بن حسین اور بہت سے لوگوں سے روایت کرتے ہیں، امام مالک نے بھی موطا میں ان سے روایت کی ہے، تابعین اور تبع تابعین میں امام زہری، امام مالک اسماعیل بن جعفر وغیرہ اور دیگر اشخاص ان کے شاگرد ہیں، امام احمد، ابوحاتم اور نسائی جیسے ائمۂ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام کے دوسرے عمِ محترم ربیع اور آپ کے والد ماجد انس بھی اپنے خاندان کی وراثتِ علمی سے محروم نہ تھے۔ تاہم اس فن میں پایۂ مخصوص نہیں رکھتے تھے، اور نہ موطا میں امام نے ان سے کوئی روایت کی ہے[2]

---

[1] موطا باب تسویۃ الصفوف، [2] تزیین الممالک بمناقب مالک سیوطی، ابن خلکان ترجمۂ مالک، واسعاف المبطا برجال الموطا سیوطی ترجمہ بن ابی عامر ونافع بن مالک، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، کتاب الانساب سمعانی

امام کی ولادت کا سنہ مختلف فیہ ہے، مورخ یافعی نے طبقات الفقہاء میں ۹۴ھ لکھا ہے، ابن خلکان نے ۹۵ھ بتایا ہے۔ لیکن صحیح تاریخ ولادت ۹۳ھ ہے، جیسا کہ محدث ذہبی نے تذکرہ میں تصریح کی ہے اور سمعانی نے انساب میں اس کو اختیار کیا ہے، کہ یہ تاریخ بسند امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر سے مروی ہے، جو مدتوں امام کی صحبت میں رہے ہیں۔

بزرگوں نے بچہ کا مالک نام رکھا، کہ آگے چل کر وہ مدینہ کے بیش بہا خزانوں کا مالک بننے والا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں واقدی کی روایت سے بیان کیا ہے اور اسی کو اور لوگوں نے بھی نقل کیا ہے کہ امام مالک تین برس تک شکم مادر میں رہے، لیکن واقدی کی یہ روایت ہے اگر صحیح ہے، تو غالباً اس کی غلط تعبیر طبی جہالت کا نتیجہ ہے عورتوں کو بعض عوارض ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے کبھی حمل کے تمام آثار ان پر طاری ہو جاتے ہیں اور وہ مدت باقی رہتے ہیں۔ اسی اثنا میں کبھی حمل حقیقی ہو جاتا ہے، ناواقف لوگ اس تمام زمانہ کو مدتِ حمل سمجھ لیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے امام مالک ان سے عمر میں ۱۳ برس چھوٹے تھے۔ اس وقت بنو امیہ کی حکومت کا اوجِ شباب تھا، ولید بن عبد الملک جو اموی مروانی حکومت کا تیسرا تاجدار تھا سریر آرائے خلافتِ دمشق تھا، فتوحاتِ اسلامیہ کا سیلاب مشرق میں ترکستان، کابل اور سندھ کو عبور کر چکا تھا اور مغرب میں افریقہ اور سپین کی سرزمینوں میں موجیں لے رہا تھا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس عہد میں امام پیدا ہوئے اس کا تاجدار جس سرزمین کو تلوار سے فتح کر رہا تھا، امام کے قلم نے سب سے زیادہ وہیں قبضہ کیا، یعنی طرابلس، ٹیونس، الجزائر، مراکش اور اسپین میں۔

تعلیم و تربیت

مدینہ :۔ امام نے ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم کے آغوش میں پایا، خود گھر اور گھر سے باہر

تمام شہر علماء وفضلا کا مخزن تھا، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد سینکڑوں صحابہ دور ودراز مقامات میں نکل گئے تھے، لیکن معدن سونا نکلنے کے بعد بھی معدن ہے تمام اکابر صحابہ جو علوم شریعت کے امین اور قرآن وسنت کے خزینہ دار تھے، اسی شہر اقدس میں سکونت پذیر تھے، عہد نبوی میں اور عہد نبوی کے بعد بھی ۲۴۔ ۲۵ برس تک تمام حکومت اسلامیہ کا یہ مرکز تھا۔ یہیں سے احکام وفتاویٰ فقہائے صحابہ کی مجلس میں طے ہوکر تمام دنیائے اسلام میں پھیلتے تھے۔

مدینہ کے فقہائے صحابہ: حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ جو اسرارِ شریعت کے راز دان تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ جن سے بڑھ کر آنحضرت صلعم کے اعمال وسنن کا متبع اور واقف کار کوئی دوسرا نہ تھا، حضرت ابن عباس رضؓ جو حبر الامۃ تھے، حضرت زید بن ثابت رضؓ جو کاتبِ وحی تھے، ان سب کی درسگاہیں اسی شہر میں آباد تھیں۔ جن سے ہزاروں اشخاص وحی وسنت کے علوم کے وارث بن کر نکلے۔

صحابہ مدینہ کے تلامذہ: بیتِ صدیق کی وارث اُن کی صاحبزادی عائشہ صدیقہ رضؓ، عائشہ رضؓ صدیقہ کے تلامذہ کبار، ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر، ان کے بھانجے عروہ بن زبیر تھے، مسند فاروق رضؓ کے جانشین عبداللہ بن عباس رضؓ اور عبداللہ بن عمر رضؓ تھے، حضرت ابن عمر رضؓ کے شاگردانِ باخلاص نافع اور عبداللہ بن دینار ان کے دو غلام، اور سالم بن عبداللہ ان کے فرزند رشید تھے، حضرت زید رضؓ بن ثابت نے اپنی وراثت اپنے گھر میں چھوڑی، یعنی ان کے بیٹے خارجہ بن زید اس کے مالک ہوئے، ابوہریرہ رضؓ نے اپنی امانت اپنے داماد سعید بن مسیب کے سپرد کی، حبر الامۃ (عبداللہ بن عباس) نے گو اپنی دولت زیادہ تر مدینہ کے باہر مکہ، کوفہ اور بصرہ میں لٹائی لیکن جو مدینہ میں رہی وہ سعید بن مسیب کے حصہ میں آئی

تلامذہ صحابہ جن کو اصطلاح میں تابعین کہتے ہیں، تمام ملک میں پھیلے تھے، لیکن ہم کو صرف مدینہ سے بحث ہے۔ ان میں سے ممتاز و مشہور لوگوں کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی قاسم ابن محمدؓ، عروہ بن زبیرؓ، نافع، عبداللہ بن دینارؓ، سالم بن عبداللہؓ، خارجہ بن زیدؓ، سعید بن مسیبؓ،

تابعین مدینہ: ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں چند اور ممتاز مشاہیر تھے مثلاً ہشام بن عروہ، محمد بن منکدر، عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عامر بن عبداللہ، جعفر صادق، ربیعہ رائی، ابو سہیل نافع بن مالک، سلیمان بن یسار، وغیرہ یہ وہ بزرگانِ اسلام ہیں جن کے فضل و کمال کے آغوش میں اسلام کے علم دین نے نشو و نما پائی ہے۔

فقہائے سبعہ: ان میں سے ابوبکر بن حارث (۹۴ھ) خارجہ بن زید (۹۹ھ) قاسم بن محمد (۱۰۱ھ) سعید بن مسیب (۱۰۱ھ) عبیداللہ بن عتبہ (۱۰۲ھ) سالم بن عبداللہ (۱۰۶ھ) سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ) مدینہ کے فقہائے سبعہ کہلاتے ہیں، صحابہ کے بعد تمام فتاویٰ، مسائل، اور مقدمات و قضایا، انہی کے فیصلہ سے طے پاتے تھے، ان کی مجلس اجتماعی یعنی جہاں یہ ساتوں مل کر بیٹھتے تھے۔ اس عہد کی سب سے بڑی عدالت العالیہ تھی، فقہ مدینہ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انہی فقہائے سبعہ کی علمی مجلسوں کے نتائج بحث ہیں،

شیوخِ مالک: امام صاحب نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ باغ و بہار تھا، باستثنائے چند یہ تمام بزرگوار درس و افتا میں مشغول تھے۔ امام نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا، اور اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا۔ وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا اور اس لئے امام دار الھجرۃ آپ کا لقب ہوا۔ امام کے شیوخ کی یوں تعداد تو بہت ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ روی عن خلق کثیر یعنی انہوں نے بہت سے لوگوں سے روایتیں کی ہیں، لیکن موطا میں جن شیوخ

سے انہوں نے روایت کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب (مقدمہ مسوی) کے قول کے مطابق ۱۶۱ اشخاص اور میری تلاش کے مطابق ۷ ر اشخاص کے سوا وہ کل کے کل مدینہ کے باشندے ہیں، اس سے اور نیز اس واقعہ سے کہ امام کا طلب علم کے لئے دوسرے شہروں کا سفر ثابت نہیں، یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے طلب علم کے لئے کبھی مدینہ سے قدم باہر نہیں نکالا۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے۔ کہ جس کا گھر اور وطن خود زر و جواہر کی کان ہو، اس کو باہر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی حاجت کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ مدینہ خود مرکز تھا۔ تمام ملک کے اساتذہ اور شیوخ خود یہاں کھنچ کھنچ کر چلے آتے تھے، سال میں ایک دفعہ (حج کے موقع پر) مدینہ کی زیارت کا شوق لوگوں کو کشاں کشاں لے آتا تھا۔

امام کے شیوخ اعزہ: گھر میں امام کے دادا، چچا اور والد خود محدث تھے، امام نے طلب حدیث کی تو اپنے گھر کو آپ ان علوم کا مرجع پایا، امام کے دادا جو ثقات رواۃ میں ہیں، امام کے ہوش تک زندہ تھے، امام کی عمر دس برس کی تھی۔ جب انہوں نے وفات پائی، لیکن شاید اپنے بچپن یا دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے کہ محدثین اور عوام دونوں کے نزدیک یہ دونوں زمانے برابر ہیں۔ اس فیض سے بلاواسطہ آپ نے تمتع حاصل نہیں کیا، **ابو سہیل نافع** امام کے ایک چچا روایت وحدیث کے شیخ تھے، امام زہری وغیرہ کے استاد ہیں امام نے بھی ان سے حدیثیں سیکھی ہیں۔ آپ کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع دونوں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان سے کوئی روایت امام نے موطا میں نہیں نقل کی ہے۔

امام نے غالباً نہایت لڑکپن سے طلب علم شروع کی، کیونکہ خود امام کی زبانی مروی ہے۔

کنت آتی نافعا وانا غلام حدیث السن ومعی غلام فینزل فیحدثنی (ذہبی ج ۱ ص ۸۸)	میں نافع کے پاس آتا تھا تو ایک کمسن لڑکا تھا، میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا نافع اتر کر آتے تھے تو مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

اس وقت تک تعلیم کا نصاب نہایت سادہ تھا، یعنی قرآن مجید، حدیث اور فقہ،
امام نے قرآن مجید کی قرأت و سند، مدینہ کے امام القراء ابورویم نافع بن عبدالرحمٰن المتوفی
۱۶۹ھ سے حاصل کی، جن کی قرأت پر آج تمام دنیائے اسلام کی بنیاد ہے نافع بن عبدالرحمٰن
سے اخذ قرأت کی روایت خود امام صاحب کی زبانی منقول ہے، لیکن زمانہ مذکور نہیں
اس بنا پر کہ قرآن مجید کی تعلیم ہمیشہ مسلمانوں میں لڑکپن میں ہوتی ہے۔ عجب نہیں کہ اس کا
یہی زمانہ ہو۔ علم الحدیث کی تعلیم بھی بچپن ہی سے شروع ہوئی۔ جیسا کہ گزشتہ
روایت سے ثابت ہوتا ہے، اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سب سے
پہلے شیخ الحدیث حضرت نافع ہیں، یا ممکن ہے کہ آپ کے چچا ابوسہیل ہوں کہ وہ خود
گھر کے اندر تھے، لیکن یہ قیاس ہے کہیں کوئی اس کی تصریح نہیں حضرت نافع۔ نافع
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے جن کی جلالتِ شان ظاہر ہے، آزاد کردہ غلام تھے، اسلام کی
روایات میں غلام کا وہ مفہوم نہیں جو یورپ کی ڈکشنری میں تم کو نظر آتا ہے، یورپ میں
غلام مظلومیت بیکسی، ذلت، خواری اور جہالت کا مجموعہ ہے، لیکن اسلام میں عزت احسان،
وفا، تربیت، علم اور جانشینی آقا کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا غلام عکرمہ وہ ہے جس پر
علم تفسیر کا مدار ہے۔ اور یہ حضرت ابن عمرؓ کے غلام نافع ہیں۔ جو حدیث و درایت کے استاد
و شیخ تھے۔

نافع نے کامل ۳۰ برس حضرت ابن عمرؓ کی خدمت کی ہے، حضرت ابن عمرؓ کے
علاوہ اور متعدد صحابہ حضرت عائشہؓ حضرت اُم سلمہؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید
خدریؓ وغیرہم سے روایت کی ہے امام اوزاعی، امام زہری، ایوب سختیانی، ابن جریج،
امام مالک جیسے ائمۃ الحدیث ان سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں، نافع کی جلالت قدر کا اس
سے اندازہ ہوگا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو خود ایک مجتہد و ناقد فن تھے، نافع کو
اہل مصر کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا، ۱۱۷ھ میں نافع نے وفات پائی۔

---

[1] ابن خلکان ترجمہ مالک و نافع بن عبدالرحمٰن

نافع جب تک زندہ رہے امامؒ مالک ان کے حلقۂ درس میں موجود رہے، مجلس میں پہنچ کر اُن سے پوچھتے کہ "ان مسائل میں حضرت ابن عمرؓ نے کیا فرمایا ہے"۔ نافع ان کے اقوال بیان کرتے تھے۔ شاگرد کو استاد کے علم وفضل پر اتنا غرور تھا، کہ فرماتے ہیں کہ "جب میں ابنؓ عمرؓ کی حدیث نافعؒ کی زبان سے سُن لیتا ہوں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی اور سے بھی اس کی تائید سنوں"۔ شاگرد واستاد کے شرف وقبول کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ روایت مالک عن نافع عن ابن عمر کو دنیا سِلسلة الذهب یعنی "طلائی زنجیر" کہہ کر پکارتی ہے۔

نافع کے علاوہ امام نے مدینہ کے دیگر شیوخِ کبار سے بھی حدیث سیکھی جن میں ممتاز لوگ یہ ہیں، محمدؒ بن شہاب الزہری، جعفر صادق بن محمد، محمدؒ بن یحییٰ الانصاری، ابوحازمؒ، یحییٰ بن سعید،

امام محمد بن شہاب الزہری ان کا نام اصل میں محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری القرشی ہے، لیکن مشہور صرف ابن شہابؒ زہری کے نام سے ہیں، صحابہ کے بعد تابعین میں جو لوگ روایت وحدیث کے اساطین ہیں، ان میں امام زہریؒ کا رتبہ حضرت سعیدؒ بن مسیب کے سوا سب سے بلند ہے، صحاح ستہ جو اسلام کا کارنامہ فخر ہے۔ ابن شہابؒ زہری کی روایات سے مالا مال ہے۔ ابوبکر بن حزم کے بعد علم حدیث کے یہ دوسرے مدون ہیں. صحابۂ کرام میں سے حضرت انسؓ وجابرؓ وابن عمرؓ، سہل بن سعیدؓ وغیرہم متعدد صحابہ کے دیدار کا اور ان سے روایت کا ان کو شرف حاصل تھا، فقہائے سبعہ اور دیگر شیوخ مدینہ کے سینوں میں جو علم منتشر و پراگندہ تھا، امام زہری پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو اپنے سینہ اور سفینہ کے اوراق میں مجتمع کیا، اور یہی علم امام زہریؒ کے بعد امام مالکؒ کے سینہ میں منتقل ہوا، امام مالکؒ کی زبانی مروی ہے کہ "ابن شہابؒ زہری جب مدینہ آتے تو ہم طلبائے علم کا ان کے دروازہ پر ازدحام

---

[۱] طبقات ابن سعد جزء تابعین مدینہ ترجمۂ مالک۔

ہو جاتا، امام زہری نے مدینہ چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، لیکن امام مالک کو یہ بعد گوارا نہ تھا، ایک بار شاگرد نے استاد سے شکایت کی کہ "مدینہ میں رہ کر آپ نے طلب علم کی اور جب کامل ہو گئے تو مدینہ چھوڑ کر ادام (واقع شام) جاکر آپ بس گئے" استاد نے جواب دیا "مدینہ کے آدمی جب آدمی تھے، تو میں مدینہ میں رہا، اور جب بدل گئے تو میں بھی نکل گیا"[1]

امام لیث مصری اعتراف کرتے تھے کہ "زہری سے بڑھ کر جامع علم کوئی دوسرا نہیں"، خود امام زہری کا بیان ہے کہ "جو چیز میں نے اپنے دل کو سپرد کی وہ کبھی گم نہ ہوئی" ناقدین حدیث کہتے ہیں کہ امام زہری سے بڑھ کر متن و سند کا کوئی حافظ نہ تھا، امام مالک کے علاوہ امام لیث مصری، امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی، عطا بن ابی رباح (شیخ زہری) عمرو بن دینار سفیان بن عیینہ، ابن جریج اور اس طبقہ کے عام محدثین امام زہری کے شاگرد تھے، لیکن ان سب سے زیادہ جس نے ان کے نام کو روشن کیا وہ امام مالک تھے حضرت ابن حنبل سے زیادہ رجال کا ناقد اور کون ہو سکتا ہے، ایک دن اُن سے ان کے بیٹے نے پوچھا کہ زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ وثوق کے قابل کون ہے" تو امام ابن حنبل نے جواب دیا کہ "مالک سب میں سب سے بڑھ کر ہیں"۔ اس زمانہ کی انصاف پسندی دیکھو کہ امام زہری نے باایں ہمہ علم وفضل خود اپنے شاگرد (مالک) سے بھی استفادہ میں عار نہیں کیا ہے، اور بعض شیوخ میں استاد و شاگرد دونوں مشترک ہیں، امام زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن ابی طالب معروف بہ امام جعفر صادق نے

اپنے پدر بزرگوار امام باقر، اور عروہ بن زبیر، عطا، اور محمد بن منکدر سے روایت حدیث کی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، شعبہ، ابو عاصم، یحییٰ انصاری، آپ کے تلامذہ ہیں۔ ابو حاتم جو ناقدین رجال میں ہیں فرماتے

---

[1] جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۲۲۴۔

ہیں کہ "امام جعفر صادق جیسے بزرگوں کی نسبت یہ پوچھنا کہ وہ کیسے تھے۔ ان کی کسرِ شان ہے"، ابن حبان کا قول ہے "امام ساداتِ اہل بیت، عبادِ تبع تابعین، اور علمائے مدینہ میں سے تھے"، یحییٰ بن معین نے ان کو "موثوق و مامون" کہا ہے، امام موصوف کبھی کبھی اپنے شاگردوں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، ایک بار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ اگر بحالتِ احرام کوئی ہرن کے رباعیہ (چار اگلے بڑے دانت) توڑ دے تو کیا لازم آئے گا؟ امام ابو حنیفہؓ نے عرض کیا کہ "اے فرزند رسول اللہ مجھے نہیں معلوم"، امام جعفر نے فرمایا، "ابو حنیفہ! تم بڑے عقلمند بنتے ہو، یہ نہیں جانتے کہ ہرن کے رباعیہ نہیں ہوتا ہمیشہ ثنی (دو بڑے دانت) ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں مصعب بن عبد اللہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، کہ امام مالک نے بنی امیہ کے عہد حکومت تک امام جعفر سے روایت نہیں کی، جب عباسیوں کا زمانہ آیا تو ان سے روایت شروع کی، ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو لیکن جس خوف سے عہد اموی میں وہ ان سے احتراز کرسکتے تھے وہ خوف تو عباسیوں کے عہد میں بھی موجود تھا، پھر یہ سیاسی خوف صرف امام مالک ہی کو کیوں ہوتا، اس جرم کے مجرم تو اور بھی تھے، اور سب سے اخیر یہ کہ اگر ان کو اس کا ڈر تھا تو اسی عہد اموی میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے کیوں نہ ڈرے، دوسری روایت یہ ہے کہ امام مالک، امام جعفر کے ساتھ جب تک تائیداً دوسرے راوی کو نہیں ملا لیتے تنہا ان سے روایت حدیث نہیں کرتے، یعنی امام مالک امام جعفر کو ضعیف فی الروایہ سمجھتے ہیں، یہ روایت قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، مؤطا خود ہمارے سامنے موجود ہے اکثر روائتیں جس تنہا امام جعفر سے بغیر ضم راوی آخر موجود ہیں، تعجب ہے کہ علامہ ذہبی نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی۔

۱۴۸ھ امام جعفر کا سال وفات ہے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت جعفر صادق

لہ مناقب امام مالک عیسی الزماوی ص۱۰ مصر، ذیل تزئین

نے وفات کے وقت امام مالکؒ کو اپنا جانشین بنایا لیکن ثقات مورخین کے ہاں مجھ کو یہ روایت نہیں ملی۔

محمد بن المنکدر المدنی کبار تابعین میں ہیں، اپنے باپ منکدر بن عبداللہ اور حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ایوبؓ، اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہم صحابۂ عظام سے روایت کرتے ہیں، امام زہری، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور دیگر ائمہ حدیث کے شیخ الروایات ہیں، ابن عیینہ کا قول ہے کہ "محمد بن منکدر صدق وراستی کے معدن تھے"، صلحائے مدینہ کا ان کے پاس مجمع رہتا تھا، ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن یحییٰ انصاری، بلند پایہ تابعی تھے، اپنے باپ یحییٰ بن حبان اور اپنے چچا واسع ابن حبان کے علاوہ، کبار صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ حضرت انسؓ، رافع بن خدیج وغیرہم سے روایت کرتے ہیں، امام لیث ابن اسحاق کو ان سے تلمذ ہے مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور ان کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا، مدینہ میں فتویٰ بھی دیتے تھے، نسائی، ابن معین، ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے، ۱۲۱ھ میں ۷۴ برس کے سن میں وفات پائی۔

ابو حازم سلمہ بن دینار، صحابہ میں سے سہل بن سعد سے جو مدینہ کے آخری صحابی تھے، اور جنہوں نے ۸۸ھ میں ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی، لقاء روایت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابن عمرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں، لیکن سماع ثابت نہیں تابعین میں سے محمد بن منکدر، سعید بن مسیب، ام الدرداء الصغریٰ ابوادریس خولانی سے تلمذ ہے، امام زہری گو عمر وفضل دونوں میں ان سے بڑے تھے تاہم ان سے حدیث سیکھتے تھے۔ امام مالکؒ۔ ابن عیینہ ثوری، حماد وغیرہم ان کے شاگرد تھے۔

لے مناقب امام مالک عیسیٰ الزرادی ص ۱۰ مصر، ذیل تزئین۔

محدثین میں یہ ثقہ اور کثیر الحدیث مشہور ہیں کبھی کبھی مسجد نبوی میں وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ ان کے حلقہ درس میں نہایت کثرت سے لوگ بیٹھتے تھے، کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ دیر میں آنے والوں کو جگہ ملنی مشکل ہوتی تھی ایک ایسے ہی موقع پر امام مالکؒ پہنچے، جگہ بھر چکی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی امام صاحب واپس چلے آئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ "میں نے پسند نہ کیا کہ میں حدیث نبوی کھڑے کھڑے سیکھوں[۱]۔ امام کا مقصد اس سے یہ تھا کہ بے اطمینانی اور بعد کے سبب صحتِ سماع مشکل تھی،

ابو حازم نے ۱۴۰ھ کے بعد انتقال کیا۔

ابو سعید یحییٰ بن سعید الانصاری حضرت انسؓ، عدی بن ثابت، علی زین العابدین بن حسین سے تلمذ ہے، امام مالکؒ، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ لیث وغیرہم نے ان سے روایت کی ہے، مدینہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، ابن مدینی کی تحقیق ہے کہ ان کی روایت سے ۳۰۰ حدیثیں ہیں، ابن سعد نے ان کی نسبت لکھا ہے ثقة کثیر الحدیث حجة ثبت سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ نے ان کو "حفاظ" میں شمار کیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں سعید اثبت الناس ۱۴۳ھ سال وفات ہے۔

شیوخ کی تعداد : دیگر شیوخ مدینہ اور بعض شیوخ مکہ و بصرہ و خراسان و جزیرہ سے بھی امام مالکؒ نے روایت کی ہے، موطا میں جن شیوخ سے روایت ہے، ان کی مجموعی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی کے مقدمہ میں ۵۰ بتائی ہے، لیکن اسعاف المبطا برجال الموطا کے تصفح سے میری تلاش و تحقیق کے مطابق ان کے شیوخ موطا کی تعداد ۹۴ ہے، جن کے نام بہ ترتیب ہجا، وذکر وطن ہم ذیل میں لکھتے ہیں لیکن یہ تعداد موطا کی ۱۷۲۰ احادیث و آثار کی ہے، ورنہ اصل میں امام مالکؒ کی احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ کی تعداد دس ہزار تھی۔ تنقید و بحث کے بعد تقریباً ۸۰۰۰ خارج کر دی

---

[۱] کتاب العلل ترمذی

گئیں، اگر موجودہ ۱۷۲۰ صحیح روایات کی، ۹۰ شیوخ کے ساتھ نسبت پیش نظر رکھ کر دس ہزار روایات کی مناسبت سے شیوخ کی تلاش کی جاوے تو موجودہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتے گی، امام مسلم نے امام مالک کے شیوخ کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی، لیکن اب وہ کہاں ملتی ہے

الف

شیوخ بہ ترتیب ہجا: ابراہیم بن ابی عبلہ مقدسی، ابراہیم بن عقبہ الاسدی المدنی، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہؓ، اسماعیل بن ابی حکیم المدنی، اسماعیل بن محمد بن سعد المدنی، ایوب بن تمیمہ سختیانی بصری، ایوب بن حبیبہ المدنی

ب

بکیر بن الاشج المدنی

ث

ثور بن زید المدنی

ج

جعفر بن محمد بن علی الہاشمی المدنی، جمیل بن عبدالرحمان المدنی

ح

حمید بن ابی حمید الطویل البصری، حمید بن قیس الاعرج المکی،

خ

خبیب بن عبدالرحمان المدنی

د

داؤد بن حصین الاموی المدنی

ر

ربیعہ بن عبدالرحمان الرائی المدنی

ز

زیاد بن سعد الخراسانی، زید بن اسلم المدنی، زید بن ابی انیسہ الجزری، زید بن رباح المدنی

س

سالم بن ابی امیہ المدنی، سعید بن اسحاق القضاعی المدنی، سعید بن ابی سعید کیسان المدنی، سلمہ بن دینار، ابو حازم المدنی، سلمہ بن صفوان الانصاری المدنی، سمی المخزومی المدنی، سہیل بن ابی صالح ذکوان المدنی

ش

شریک بن عبداللہ المدنی

ص

صالح بن کیسان المدنی، صفوان بن سلیم المدنی، صیفی بن زیاد الانصاری المدنی

ض

ضمرہ بن سعید الانصاری المدنی

ط

طلحہ بن عبداللہ الخزاعی

ع

عامر بن عبداللہ الزبیر المدنی، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم المدنی، عبداللہ دینار المدنی، عبداللہ بن ذکوان ابوالزناد المدنی، عبداللہ بن عبداللہ جابر المدنی عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابوطوالہ المدنی، عبداللہ بن فضل بن عباس المدنی عبداللہ بن یزید المخزمی المدنی، عبدربہ بن سعید الانصاری المدنی، عبدالرحمٰن بن خرطہ المدنی، عبدالرحمٰن بن

عبیداللہ بن ابی صعصعہ المدنی، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ الصدیق المدنی، عبدالکریم بن مالک الجزری، عبدالمجید بن سہیل بن عبدالرحمان بن عوف المدنی، عبیداللہ بن سلیمان عبیداللہ بن عبدالرحمان، عطار بن ابی مسلم الخراسانی، علقمہ بن ابی علقمہ بلال المدنی عمارۃ بن عبداللہ الانصاری عمر بن حارث ابوامیۃ المدنی عمرو بن ابی عمر میسرۃ المدنی، عمرو بن یحییٰ اللازقی المدنی، العلاء بن عبدالرحمان الحرقی المدنی،

ف

فضیل بن ابی عبداللہ المدنی

ق

قطن بن وہب المدنی

م

مالک بن ابی عامر الاصبحی المدنی، محمد بن ابی امامہ سہیل بن حنیف الانصاری المدنی محمد بن ابی بکر عوف الحجازی، محمد بن ابی خرم الانصاری المدنی، محمد بن عبداللہ بن صعصعہ المدنی محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل الاسدی المدنی محمد بن عمارہ بن عمرو الانصاری المدنی، محمد بن عمرو بن حلحلۃ الدیلی المدنی محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی المدنی، محمد بن مسلم ابوالزبیر المکی، محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری المدنی، محمد بن المنکدر المدنی، محمد بن یحییٰ بن حبان الانصاری المدنی۔ مخرمۃ بن سلیمان الاسدی المدنی، محمد بن المنکدر المدنی، مخرمہ بن بکیر الاشیخ المدنی۔ مسلم بن ابی مریم المدنی، مسور بن رفاعہ القرظی المدنی، موسیٰ بن ابی تمیم المدنی، موسیٰ بن عقبۃ المدنی۔ موسیٰ بن میسرۃ المدنی،

ن

نافع بن مالک ابوسہیل الاصبحی المدنی، نافع مولی ابن عمر المدنی، نعیم بن عبداللہ المجمر المدنی

و

ولید بن عبداللہ بن صیاد المدنی، وہب بن کیسان القرشی المدنی

ھ

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المدنی، ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام المدنی،
بلال بن اسامۃ المدنی،

ی

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری المدنی، یزید بن رومان الاسدی المدنی یزید بن زیاد المدنی، یزید بن عبداللہ بن اسامہ اللیثی المدنی، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ الکندی المدنی، یزید بن عبداللہ بن بسیط اللیثی المدنی، یونس بن یوسف المدنی،

باب الکنیٰ

ابوبکر بن عمر بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن الخطاب المدنی، ابوبکر بن نافع مولیٰ عبداللہ بن الخطاب المدنی، ابولیلیٰ بن عبدالرحمٰن المدنی،

غیر مدنی شیوخ:۔ اگر اس طویل فہرست کو آپ نے بغور پڑھا ہے تو ان ناموں میں بعض غیر مدنی شیوخ کے بھی نام آپ کو ملے ہوں گے شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک وہ ۶ شخص ہیں، جیسا کہ مقدمہ مسویٰ میں انہوں نے لکھا ہے، لیکن درحقیقت ۹ شخص ہیں۔ ایک شام کے ابراہیم[1] بن ابی عبلہ مقدسی، دو مکہ شریف کے محمد[2] بن مسلم ابوالزبیر المکی، اور حمید[3] بن قیس الاعرج المکی، دو خراسان کے عطاء[4] بن ابی مسلم الخراسانی، اور زیاد[5] بن سعد الخراسانی دو جزیرہ کے عبدالکریم[6] بن مالک الجزری، اور زید[7] بن انیسۃ الجزری، اور دو بصرہ کے ایوب[8] سختیانی بصری اور حمید[9] بن ابی حمید الطویل البصری، امام نے ان ممالک کا کبھی سفر نہیں کیا، اس لئے ان بزرگوں سے اخذ واستفادہ کا موقع مدینہ ہی میں ملا ہوگا کیونکہ زیارت وتشرف کی غرض سے اکثر بزرگانِ علم کا سال میں ایک بار اور احیاناً کئی کئی بار مدینہ میں گذر ہوتا تھا،

علم الفقہ یہاں تک امام کے شیوخِ حدیث کی تفصیل تھی، ایک شیخ حدیث یا محدث کے فرائض احادیث کے جمع و روایت روایات کی تصحیح و تضعیف اور اتصال وانقطاع، رفع وارسال، رجال کی توثیق و تضعیف وغیرہ مباحثِ من حیث الروایۃ تک محدود ہیں، اس کے بعد ایک فقیہ کے حدودِ حکومت کی ابتدا ہوتی ہے احادیث کا تضاد و تطابق، نسخ و تطابق، نسخ و تطبیق اور ان سے احکام کا، استنباط و تفریع، ان کے فرض و سنت و استحباب کی تقسیم، غیر مصرح بالنص احکام کا قیاس صحیح ایک فقیہ کے فرائض و خدمات ہیں۔

اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا ہوگا کہ ہر فقیہ کے لئے محدث ہونا ضروری ہے کہ اگر وہ نفس حدیث کی صحت و ضعف، رفع اور سال، اتصال وانقطاع اور رجال کی ثقاہت وعدل وقوت اور دیگر اسبابِ جرح و تعدیل سے ناواقف ہے تو وہ استنباط و تفریع وتطبیق و نسخ، و دیگر احکام معنوی کی بنیاد کس سطح پر قائم کرے گا؟ اس بنا پر یہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسی غیر محدث فقیہ کا تخیل کس درجہ مضحکہ خیز ہے

شیخ الفقہ ربیعہ الرائی:- امام مالک نے فقہ کی تعلیم گو نافع وغیرہ دیگر شیوخ سے بھی پائی، لیکن اس کی تحصیل ابو عثمان ربیعہ الرائی سے خاص طور سے کی، ربیعہ مدینہ کے کبار تابعین میں تھے، حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کے دامن تربیت میں تعلیم پائی تھی، امام مالک، یحییٰ الانصاری شعبہ، اوزاعی، لیث وغیرہم جو اس طبقہ کے اکابر رجال و اعیان علم ہیں، ان کے شاگرد ہیں، ربیعہ کے ساتھ امام مالک کا اختصاص اس درجہ تھا کہ تاریخ و رجال میں "شیخ مالک" ان کے نام کا جزو ہوگیا ہے، اجتہاد و استنباط و تفریع و رائے میں اس قدر معروف و ممتاز تھے کہ "رائی" ان کا لقب ہوگیا۔ امام ابن حنبل ان کو "ثقۃ" کہتے تھے، ابن شیبہ کا قول ہے کہ وہ "ثقہ" ثبت اور مدینہ کے مفتیوں میں سے ایک تھے، خطیب نے لکھا ہے۔ کان فقیھًا عالمًا حافظا للفقه والحدیث

یعنی وُہ فقیہ، عالم اور فقہ وحدیث دونوں کے حافظ تھے۔

ربیعہ الرائی:۔ خاص مسجد نبوی میں درس دیتے تھے، امام مالکؒ حسنؒ بصری، شعبہ، اوزاعی، لیثؒ مصری، یحیٰی انصاری جیسے علمائے افاضل حلقہ درس میں شریک تھے قرونِ اوّل کا مدینہ جو سینکڑوں محدثین وفقہا کا مخزن تھا، اس میں فتوٰی دینا ایک خاص لیاقت وقابلیت کا کام تھا ربیعہ رائی اس خاص لیاقت وقابلیت کے ساتھ متصف تھے اور منجملہ ان اکابر فقہائے محدثین کے تھے جن کو مدینۃ الرسول کے مفتی ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ سفاح جو دولت عثمانیہ کا پہلا فرمانروا تھا جب اس نے عہدہ داران حکومت کا انتخاب کرنا چاہا تو قاضی دارالخلافہ کا عہدہ انہی کو سپرد کیا، حکومت عباسیہ کا پہلا پایہ تخت انبار تھا یہیں ۱۳۶ھ میں انہوں نے وفات پائی،

ربیعہ رائی کے مسائل واجتہادات لوگوں میں نہایت مقبول اور پسندیدہ تھے، امام مالکؒ جواب ایک مستقل مجلسِ درس کے مالک تھے، ایک بار اپنی مجلسِ درس میں ربیعہ رائی کی احادیث واجتہادات کا ذکر فرمارہے تھے۔ لوگوں کو اتنی دلچسپی ہوئی کہ امام صاحب جب کہہ کر خاموش ہوئے تو عرض کی کہ کچھ اور ان کے اجتہادات واحادیث بیان فرمائیے، امام نے کچھ اور بیان کیا لوگوں کی تشنگی اب بھی کم نہ ہوئی۔ خواہش کی کہ کچھ اور ان کے مسائل بیان فرمائیے، امام نے فرمایا کہ تم ربیعہ رائی کو کیا کروگے دیکھو وہاں سوتے ہیں، لوگوں کو تسلی نہ ہوئی اور وہاں پہنچے، امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ جب سے ربیعہ نے انتقال کیا، فقہ کا مزہ جاتا رہا۔

ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ ہے، یہ ابھی حمل میں تھے کہ ان کے باپ فروخ خراسان کی جنگ میں سپاہی بن کر گئے، اور بیوی کو ۳۰ ہزار سپرد کر گئے، وہاں سے ۲۷ برس کے بعد ان کو لوٹنا نصیب ہوا، اس اثنا میں ربیعہ جوان ہو کر صاحبِ کمال ہوچکے تھے، مسجد نبوی میں ان کی مجلسِ درس منعقد ہوتی تھی، ماں نے تمام دولت بیٹے کی

تعلیم پر صرف کر دی تھی، فرّخ گھر پہنچے تو اپنا گھر سمجھ کر بلا تردد گھر کے اندر قدم رکھا، ربیعہ نے دیکھا کہ ایک غیر شخص اس بے باکی سے اندر گھسا چلا آتا ہے، ڈانٹا کہ خبردار جو اندر قدم رکھا، فرّخ نے جب ایک اجنبی مرد کو گھر کے اندر پایا تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گئے، باپ بیٹے دونوں نے آستینیں چڑھالیں۔ محلہ والوں میں شور ہو گیا، امام مالک کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے آئے، لوگوں نے امام مالک کو دیکھا تو خاموش ہو گئے امام مالک نے فرمایا "بڑے میاں! اور بھی مکانات ہیں وہاں چل کر ٹھہرو" فرّخ نے کہا "یہ میرا مکان ہے اور میرا نام فرخ ہے" بیوی نے نام سنا تو آواز پہچانی، باہر نکل آئی۔ اور باپ بیٹے دونوں کو گلے لگایا۔

جب سکون ہوا تو فرخ نے بیوی سے روپیہ کا حساب پوچھا، بیوی نے جواب دیا کہ بحفاظت دفن کر دیا ہے، فرّخ جب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گئے تو بیٹے کو فضل و کمال کی مسند پر متمکن دیکھا، شاداں و فرحاں گھر آئے، اور بیوی سے ذکر کیا، بیوی نے کہا کہ "تم کو اپنے بیٹے کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے یا وہ ۳۰ ہزار دینار" فرّخ نے کہا "اپنے بیٹے کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے" بیوی نے جواب دیا کہ "اسی خاک میں میں نے وہ خزانہ دفن کیا ہے[1]"

امام مالک کے شیوخ و اساتذہ کی یہ تعداد اس زمانہ کی کثرتِ شیوخ کے مذاق کے لحاظ سے نہایت کم ہے، اور عجب نہیں کہ اس پر لوگوں کو تعجب آئے جو تعداد کو افضلیت کا معیار جانتے ہیں، لیکن درحقیقت اس میں بھی امام مالک کے لئے مزیت خاص مضمر ہے،

امام مالک کا انتخاب شیوخ:۔ صحابہ کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا، یہ دور ثانی یا قرنِ ثانی گو عمومیت اور اکثریت کے لحاظ سے خیر و برکت کا عہد اور صدق و طہارت کا وقت تھا، تاہم زمانہ کا کوئی

---

[1] ربیعہ کے تمام حالات ابن خلکان و اسعاف المبطا، ترجمۂ ربیعہ سے ماخوذ ہیں

دور کبھی ایسا نہیں گذرا اور نہ گذر سکتا ہے، جب مجمع انسانی غیر سعادت مندانہ عنصر کے شائبہ سے بالکل خالی ہو، زمانہ کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ صرف نسبتاً ہو سکتا ہے، صحابہ کا قرن اول اپنے ماقبل و مابعد کی نسبت سے خیر القرون تھا، تاہم وہ ماعز اور زن مخزومیہ امثالہما کے وجود سے خالی نہ تھا گو یہ ہستیاں بھی قرونِ مابعد کے اخیار و ابرار سے شرف محبت قوتِ ایمان، اعترافِ قصور و خشیتِ الٰہی، اور توبہ و ندامت میں بدرجہا بہتر تھیں، رضی اللہ عنہم،

صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ بھی اپنے مابعد کے لحاظ سے برکات کا مجمع اور کمالات کا منبع تھا، تاہم مادی آبادی میں طوائفِ انسانی کے جو اقسام ہیں ان سے یکسر پاک نہ تھا، بیسیوں آدمی قصداً جھوٹ بولتے تھے، بیسیوں آدمی اپنی غایتِ زہد و سادہ دلی سے ہر بولنے والے کو سچا سمجھ کر بلا تامل اس کی بات نقل کرتے تھے اس طرح نادانستہ کذب بیانی میں مبتلا ہو جاتے تھے، سینکڑوں غیر فقیہ راوی ایسے تھے جو اپنی روایات کا خود محمل و مفہوم نہیں سمجھتے تھے، کچھ ایسے تھے جو عدم ممارستِ فن کے سبب سے جیّد و ردی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے، لیکن چونکہ اس زمانہ کی آب و ہوا میں روایتِ حدیث اور اشاعتِ قول نبوی کا مذاق پھیلا تھا۔ اور یہی اس وقت عزو شرف کا ذریعہ تھا، اس لئے اہلِ فضل اور مستحقینِ علم کے پہلو بہ پہلو نااہل اور غیر مستحقین بھی اپنی مسند بچھاتے پھرتے تھے، باہر کے ناواقف آفاقی جن میں زیادہ تر عراقی تھے، ہر سپید کو سیم خالص سمجھ کر ہر ڈھیر سے بلا تمیز ایک خرداره اٹھاتے پھرتے تھے، اور اس بارگراں کے ساتھ جب گھر لوٹتے تھے تو اپنے کو سب سے بڑے ڈھیر کا مالک سمجھ کر خوش ہوتے تھے،

خصوصیاتِ شیوخ امام:۔ امام مالک کا مدینہ وطن تھا، بچپن سے علماء میں تربیت پائی، ایک ایک صاحب حدیث سے برسوں ملاقاتیں رہیں۔ ہر ایک سرمایہ دار کی جنس متاع کے ایک ایک ذرہ سے واقف

تھے اور در حقیقت یہ غیر ممکن ہے کہ غیر مستحقین کی نا اہلیت خود اپنے ارباب وطن سے مخفی رہے۔

امام مالک نے صرف انہی اساتذہ فن سے اخذ کیا، جو اہلیت و استحقاق کے مسند نشین تھے اور صرف ان شیوخ کے حلقۂ درس میں بیٹھے جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے، امام ممدوح ہمیشہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی غیر فقیہ (سفیہ) کی مجلس میں نہیں بیٹھا، امام ابن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ مخصوص نعمت تھی جو صرف حضرت امام مالک کے حصہ میں آئی امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اس صحن مسجد (نبویؐ) میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا جو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہا کرتے تھے لیکن ان میں ایک کے پاس بھی نہیں بیٹھا کبھی فرماتے۔ مدینہ میں بیسیوں اشخاص تھے جن سے لوگ حدیث سیکھتے تھے، لیکن میں نے کبھی ان سے اخذ علم نہیں کیا یہ چند قسم کے لوگ تھے، یہ چند قسم کے لوگ تھے، بعض نادانستہ جھوٹ بولتے تھے، بعض مغز سخن سے ناواقف تھے، بعض پورے جاہل تھے

ابن وہب: جو امام صاحب کے نامور شاگرد ہیں، ذکر کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ مدینہ میں ایسے کتنے مقدس لوگ تھے کہ اگر بارش کی دعا مانگی جاتی تو ان کی برکت سے آسمان سے پانی ٹپک پڑتا اور بہت سے احادیث اور مسائل کی ان کو سماعت بھی حاصل تھی، لیکن میں نے ان سے استفادہ نہیں کیا، کیونکہ وہ صرف متقی وزاہد تھے اور یہ حدیث وروایت اور فتویٰ کا کام صرف زہد واتقا اور پرہیزگاری کے ساتھ علم وفہم اور پختگی کی حاجت ہے، وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اور کل قیامت کے دن یہ معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔ جس زہد کے ساتھ پختگی اور دانائی نہ ہو، وہ اس راہ میں مفید نہیں اور نہ وہ حجت ہے اور نہ ایسوں سے علم اخذ کرنا چاہیئے۔

امام کے بھانجے اسماعیل ابن ابی اویس روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں مالکؒ کو کہتے سنا ہے کہ یہ علم حدیث دین ہے، ذرا دیکھ لو کہ کس سے حاصل کرتے ہو، میں نے کہا۔ میں نے ان ستونوں کے پاس ستر آدمیوں کو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہتے سنا، لیکن میں نے ان سے ایک حرف نہیں سیکھا، حالانکہ اُن میں سے ہر شخص اس لائق تھا کہ اگر ایک خزانہ بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا تو ان کی ایمانداری اور دیانت کے شیشہ میں بال نہ آتا لیکن وہ اس فن کے آدمی نہ تھے۔

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے امام کی زبان سے اُن کا قول سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "میں نے اس شہر میں بہت سے نیک وصالح لوگوں کو پایا لیکن ان سے میں نے حدیث نہیں سُنی، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ " جو وہ کہتے تھے وہ سمجھتے نہ تھے"۔

امام صاحبؒ نے اہلِ عراق سے کیوں روایت نہیں کی :-

امام کے شیوخ میں کوئی عراقی نہیں ہے، ابو مصعبؒ جو امام کے شاگرد اور مشہور محدث ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی؟ جواب میں فرمایا کہ "میں کیا ان سے روایت کروں؟ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ یہاں آکر اُن لوگوں سے حدیث سیکھتے ہیں، جن پر وثوق نہیں کیا جا سکتا" ابو مصعب کا بیان ہے کہ "میں نے کہا کہ وہ اپنے شہر میں بھی ایسے ہی لوگوں سے روایت کرتے ہیں"۔

اسی قسم کا سوال ایک بار امام مالکؒ سے شعیبؒ بن حرب نے کیا کہ "آپ لوگ اہلِ عراق سے کیوں نہیں روایت کرتے؟" امام صاحبؒ نے کیا معقول جواب دیا، فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ان کے بزرگوں سے روایت نہیں کی، اس لئے ہمارے پچھلوں نے بھی ان کے پچھلوں سے روایت نہیں کی"۔

امام مالک۔ جب کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ حدیث کرنا چاہتے تھے تو ہمیشہ اس کا تجربہ ونقد کر لیتے تھے، امام کا کوئی شیخ اگر عراقی کہا جا سکتا ہے تو وہ بصرہ کے ایوب سختیانی مشہور تابعی المتوفی ۱۳۱ھ ہیں جن کی نسبت ابن سعد کہتے ہیں۔ کان حجۃ ثقۃ ثبتا فی الحدیث جامعا کثیر العلم اور جن کو شعبہ نے سید الفقہاء کا خطاب دیا ہے، اور جن کا نام رجال میں احد الائمۃ الاعلام کے وصف کے ساتھ لیا جاتا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موقع پر ان کو دو سال میں نے دیکھا لیکن ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، تیسرے سال دیکھا کہ وہ صحن زمزم میں بیٹھے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ مجھ کو رحم آتا تھا، جب یہ حال دیکھا تو ان کی حدیث لکھی۔

اپنے دادا اور بعض فقہائے سبعہ سے کیوں نہیں روایت کی

تعجب ہوتا ہے کہ امام جب سن رشد کو پہنچے تو اس وقت آپ کے دادا مالک بن ابی عامر زندہ تھے، ان کی وفات کے وقت امام کی عمر ۱۲، ۱۳ برس کی تھی فقہائے سبعہ میں سے سالم بن عبداللہ نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی جب کہ امام کی عمر ۱۶ برس کی تھی سلیمان بن یسار نے ۱۰۷ھ میں انتقال کیا، اور اس وقت امام ۱۷ سال کے تھے، تاہم ان بزرگوں سے بلا واسطہ کوئی روایت نہیں کی! اس کا سبب خود امام صاحب نے بیان فرما دیا ہے کہ "مدینہ میں بعض ایسے لوگوں کا زمانہ میں نے پایا ہے کہ وہ ۱۰۰ برس ۱۰۵ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، لیکن ایسے بوڑھوں کی روایت نہیں لی جاتی ہے، اور اگر کوئی لے تو عیب شمار کیا جائے گا" اور یہ بالکل سچ ہے۔ کیونکہ عمر کے ضعف کا حفظ وعقل کے ضعف پر جو اثر پڑتا ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟

امام مالک کے اس احتیاط وتمیز ونقد کا یہ اثر ہوا کہ امام مالک جس شیخ

سے روایت کرتے تھے وہ ثقاہت وعدالت وحفظ میں نشان سمجھا جاتا تھا، یحییٰ بن معین جو مبصرین فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ امام کے آگے کیا ہیں؟ ہم لوگ تو امام مالک کے نقش قدم پر چلتے ہیں، جب کسی شیخ کا نام آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے اس سے لیا ہے یا نہیں، اگر نہیں لیا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں"۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی نے ایک راوی کی نسبت پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ "میرے نزدیک وہ اچھا ہے کیونکہ امام مالکؒ نے اس سے روایت کی ہے"[۱]

اساتذہ آپ کے معترف تھے

امام مالک فطرتاً قوی الحافظ تھے خود فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چیز میرے خزانہ دماغ میں آکر پھر نہ نکلی[۲] اور خود دوسروں کو اس کا اعتراف تھا، ابوقلابہ کہتے ہیں کان مالك احفظ اهل زمانه ایک بار جب استاد ربیعہ کی معیت میں امام زہری کی مجلس میں حاضر ہوئے امام زہریؒ نے اس دن چالیس سے زیادہ حدیثوں کا املا کیا دوسرے دن پھر مجلس منعقد ہوئی تو امام مالکؒ اپنے استاد کے ساتھ پھر حاضر ہوئے امام زہریؒ نے کہا، کتاب لاؤ میں اس سے بیان کروں، کل جو میں نے بیان کیا اس سے تم کو کیا فائدہ ہوا؟ ربیعہ نے کہا اس مجلس میں ایک شخص ہے جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنا دے گا، زہریؒ نے پوچھا کہ وہ کون ہے، ربیعہ نے کہا، ابن ابی عامر، زہریؒ نے اشارہ کیا کہ سناؤ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ چالیس حدیثیں میں نے سنائیں، زہریؒ نے تعجب سے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میرے سوا کسی کو یاد نہیں ہیں[۳]

شوقِ علم اور فراغِ قلب بہت کم مجتمع ہوئے ہیں **امام بخاری** پر ایک وقت تین[۳] دن ایسے گذرے ہیں، جن میں انہوں نے جنگل کی بوٹیوں پر قناعت کی ہے، اور یہ

---

[۱] ان تمام اقوال کے لئے دیکھو مقدمہ اسعاف [۲] تذکرۃ ذہبی ترجمہ مالک [۳] تزئین الممالک صفحہ ۹ مصر [۴] تزئین الممالک ص ۱۰ مصر،

ان کی زندگی کا مشہور واقعہ شمار ہوتا ہے، امام مالک بھی اس راہ میں پیچھے نہیں ہیں فقر سے نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ چھت کی کڑیاں فروخت کر کے ضرورتیں پوری کیں، لیکن دستِ طلب علم کو تاہ نہیں کیا[1]، اسی لئے امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ لا یبلغ احد ما یرید من ھٰذا العلم حتی یضربہ الفقر ویوثرہ علی کل حال یعنی اس علم میں کمال اس وقت تک نہیں حاصل ہوتا جب تک وہ مبتلائے فقر نہ ہو، اور اس پر بھی وہ بہر حال طلب علم کو ترجیح نہ دے[2]، امام مالک طلب علم کے لئے بجز موسم حج کے مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان کو طلب علم کے لئے محنت نہیں اٹھانا پڑی، ابن سعد نے امام مالک سے بیک واسطہ روایت کی ہے کہ نافع سے حدیث سیکھنے کا وقت ٹھیک دوپہر کو مقرر تھا، دوپہر کی دھوپ میں بلا سایہ شہر سے باہر بقیع میں جاتا تھا، جہاں اُن کا مسکن تھا، مدینہ کے ایک فقیہ ابن ہرمز تھے، ان کے گھر صبح کو آتا تھا تو رات کو جاتا تھا[3]

مجلسِ درس

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کی لیاقت و استحقاق کا اعتراف عام طور سے کیا جا رہا ہے اور اس بنا پر خود امام کے شیوخ کی موجودگی میں مستفیدین کا الگ حلقہ قائم ہو چکا تھا[4] شیخ الفقہ ربیعہ المتوفی ۱۳۶ھ زندہ ہی تھے کہ امام مالک فقہ وفتویٰ کے مرجع بن گئے[5] اور ربیعہ کی وفات کے بعد تو فقہ ورائے واجتہاد کے

---

[1] تذکرۃ ذہبی ج ا [2] تزئین نقلاً عن الحلیۃ لابی نعیم ص ۱۵ مصر، [3] طبقات [4] تزئین الممالک ص ۱۰، عن ابی نعیم فی الحلیہ [5] ابن خلکان ترجمۂ مالک،

مجمع علیہ امام تسلیم کر لئے گئے ابن لُہیعہ جو مصر کے ایک شیخ حدیث ہیں انہوں نے شیخ مدینہ ابوالاسود نعیم بن عروہ بن زبیر سے پوچھا کہ "ربیعہ کے بعد مدینہ میں فقہ واجتہاد کا امام کون ہے ؟" انہوں نے جواب دیا کہ نوجوان اصبحی[1] (مالک بن انس اصبحی)

مجلس حضرت ابن عمر: فن حدیث میں امام صاحب کے خاص شیخ حضرت نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے حضرت عبد اللہ بن عمر رض صحابہ میں آنحضرت صلعم کے اعمال وسنن کے سب سے زیادہ عالم تھے، امیر معاویہ رض اور حضرت علی رض کے مناقشات کے موقع پر بعض صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت ابن عمر رض خلیفہ اسلام ہوں، آپ نے فرمایا کہ "ایسی خلافت جس میں کسی مسلمان کا ایک قطرہ بھی خون گرے مجھے منظور نہیں" اکثر صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ "آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ابن عمر رض کے سوا ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا" حضرت ابن عمر رض آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک حدیث وفقہ وفتویٰ وارشاد کے مرکز رہے،

مجلس نافع: حضرت نافع کامل ۳۰ برس تک سفر وحضر، قیام وقعود، لیل ونہار خلوت وجلوت میں ہمیشہ حضرت ابن عمر رض کے ساتھ رہے، اور ان کے بعد ان کی مجلس درس میں ان کے جانشین ہوئے ۱۱۷ھ میں وفات پائی، امام مالک کم از کم ۱۲ برس حضرت نافع کے درس میں رہے۔

مجلس مالک: حضرت نافع کی وفات کے بعد امام مالک ان کے جانشین ہوئے شعبہ جو کوفہ کے راس المحدثین تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ "نافع کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ مالک ایک حلقہ کے صدر نشین[2] ہیں" اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ۱۱۷ھ میں اپنی مجلس درس مستقل قائم کی، امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے

---

[1] تزئین الممالک ص ۹ عن المناقی [2] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ مالک،

آراستہ رہتی تھی۔ وسطِ مجلس میں شہ نشین تھی، جس پر امام صاحب صرف املائے حدیث کے موقع پر رونق افروز ہوتے تھے۔ جابجا اشرکا مجلس کے لئے پنکھے پڑے رہتے تھے، جب حدیث کا درس ہوتا مجمر میں عود و لبان جلایا جاتا، صفائی و نزاہت کا یہ عالم تھا کہ فرش پر ایک تنکا بھی بارِ خاطر ہوتا تھا، جب حدیث نبوی کے املا کا وقت آتا، پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے، اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے[۱]

تمام لوگ سرنگوں خاموش مؤدّب بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام کی مجلسِ درس میں آکر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھے[۲]۔ اس وقت امام صاحب کی ادا سے شکوہ اور وقار کا اظہار ہوتا تھا، تمام مجلس پر ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا امام شافعی فرماتے ہیں[۱] کہ "ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو" جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہِ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام امرا کا ورود، علما کی تشریف آوری، سیاحوں کا گذر، حاضرین کی مؤدب نشست درخانہ پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا، اسی موقع پر ایک شاعر کا گذر ہوا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ دو شعر نکل گئے[۳]

يدع الجواب فما يراجع هيبة	والسائلون نواكس الاذقان
اگر امام جواب نہیں دیتے تو ہیبت سے پوچھا نہیں جا سکتا	پوچھنے والے سر نیچے کئے رہتے ہیں
ادب الوقار وعز سلطان التقیٰ	فهو المهاب وليس ذا سلطان
وقار کا ادب اور سلطان تقویٰ کا جاہ و جلال ہے	لوگ اس سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ صاحب حکومت نہیں ہے،

ہاں امام، صاحب حکومت نہ تھے، لیکن صاحبِ حکومت اس آستانہ پر آکر جھکتے تھے۔

---

[۱] تزئین الممالک نقلاً عن ابی نعیم والغافقی ص ۱۳، ۱۶ و بستان المحدثین ترجمہ مالک [۲] تذکرہ ذہبی ترجمہ مالک،

امام شافعی نے اپنی تعلیم کے لئے والی مدینہ کو بغرض سفارش جب در امامت پر لانا چاہا تو اس نے کہا "میرا کہاں وہاں گذر"۔ ہارون رشید جب مدینہ آیا تو امام صاحب سے موطا کی سماعت کی خواہش ظاہر کی، امام صاحب نے فرمایا کہ "کل کا دن اس کے لئے ہے" ہارون رشید منتظر رہا کہ امام صاحب دربار میں خود آئیں گے، کل کا دن مجلس درس میں تشریف فرما رہے، ہارون رشید نے پوچھا تو فرمایا کہ العلم یزار ولا یزور"۔ اور آخر ہارون رشید کو بایں ہمہ جاہ وجلال خود امام کی مجلس میں حاضر ہونا پڑا۔

مجلس میں عام وخاص کی تمیز نہ تھی، ہارون نے جب درس کی شرکت کا ارادہ کیا تو کہا کہ عام لوگوں کو باہر کر دیجئے، امام صاحب نے فرمایا کہ "شخصی منفعت کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا"[1]۔ اللہ اکبر! کیا پاک روحیں تھیں۔

آدابِ درس حدیث کا املا مسجد نبوی یا مجلس درس سے باہر نہیں کرتے تھے، مہدی اور ہارون دونوں نے خیمہ خلافت میں املا کی خواہش کی لیکن امام نے انکار کر دیا، جلدی میں یا کسی کام کی مصروفیت میں یا راہ چلتے ہوئے حدیث نہیں بیان فرماتے تھے کہ خلافِ ادب ہے، اور اصل یہ ہے کہ سماع وفہم حدیث کے لئے اطمینان اور حضور قلب چاہئے جو ان موقعوں پر عموماً مفقود ہوتے ہیں، اس لئے احتراز فرماتے تھے، مجلس میں زور زور سے بولنا بھی وہاں خلافِ ادب تھا، ایک بار خلیفہ منصور امام سے مسجد میں مناظرہ کر رہا تھا آواز نہایت بلند ہو رہی تھی۔ امام نے ڈانٹ کر یہ آیت پڑھی۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ — پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔

عادت شریف یہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع صبح تک مصلیٰ پر اوراد وظائف میں مشغول رہتے، طلوعِ صبح کے بعد لوگ آنا شروع ہوتے۔ امام صاحب لوگوں کی طرف

[1] مناقب مالک لابن مسعود الزواوی، ص، ۲۹، مصر،

متوجہ ہوکر ایک دو آدمیوں سے خیریت پوچھتے، مجلس کی یہ ترتیب تھی کہ قریب تر جیّد و مستعد و صاحبِ فہم طلبہ کو جگہ دیتے، پھر علیٰ قدر المراتب لوگ آ آکر بیٹھتے جاتے، ابتدائے درس سے پہلے فرمادیتے کہ "مستعد و صاحبِ فہم لوگ قریب بیٹھیں"، املا، آہستہ اور سکون کے ساتھ کرتے، ایک حدیث ختم ہوجاتی تو دوسری حدیث شروع کرتے۔

طریقۂ درس مختلف شیوخ کی مجالس میں درس کا طرز مختلف تھا، اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا کہ وہ خود کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے، یا کھڑے ہوجاتے، طلبہ بہ ترتیب پس و پیش قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے، شیخ زبانی یا اپنا جزءِ حدیث ہاتھ میں لے کر اس سے املا کرتے۔ طلبہ لکھتے جاتے تھے مجلس درس میں اگر غیر معمولی اجتماع ہوتا تو تھوڑی دور پر مستملی کھڑے ہوتے جو شیخ کے الفاظ بعینہٖ آگے کو پہنچاتے"؛ امام مالکؒ بھی کبھی کبھی اس طریقہ سے درس دیتے تھے، ابن علیہ جو ایک جیّد شاگرد تھے، امام کے مستملی تھے،

لیکن مدینہ کے اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث و فتاویٰ و تعلیقات کو پہلے قلمبند کر لیتے، یا کسی مستعد و صاحبِ فہم شاگرد کو لکھنے پر مامور کرتے، لکھے ہوئے اجزا کاتب کے ہاتھ میں ہوتے اور وہ مجلس میں اس کو پڑھتا، شیخ جابجا اس کے مطالب کی تشریح کرتا جاتا۔ کاتب سے غلطی ہوتی تو اس کی تصحیح کر دیتا، امام صاحب کے کاتب کا نام ابن حبیب تھا جن کا شمار محدثین کبار میں ہے، اور کبھی معن بن عیسیٰ، یا اور دیگر تلامذہ پڑھتے، یہی سبب ہے کہ امام کے بعض تلامذہ مثلاً یحییٰ جن کی روایت بخاری میں ہے بجائے حدثنا مالك و اخبرنا مالك کے قرأت علی مالك کہتے ہیں۔

امام صاحب اس اصول کی بشدت پابندی کرتے تھے، یحییٰ بن سلام اسی بات پر ناراض ہوکر مجلس سے اٹھ گئے کہ "خود نہیں پڑھتے، شاگردوں سے پڑھواتے ہیں"، یحییٰ بن سلام تو خیر ایک ادنیٰ شاگرد تھے۔ خود خلیفہ وقت ہارون نے امین و مامون کے لئے کہا کہ آپ پڑھیے۔ یہ سنیں تو شیوخِ مدینہ کا نام گنا کر فرمایا کہ ہمارے

شہر کے شیوخ کا یہی دستور تھا[1]، اور کیا عجیب بات ہے کہ جس امر پر لوگوں کو اس قدر اصرار تھا وہی آج ایک مدت سے تمام مدارسِ اسلامیہ کا دستور عام ہے۔

اس طریقہ کی خوبی: شیوخ مدینہ کا یہ طریقہ متعدد وجوہ سے افضل و احفظ ہے، مجمع عام میں جب کوئی شخص بولنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو عموماً عجلت کثرتِ ازدحام اور کبھی مرعوبیت کے سبب سے اس سے مسامحت ممکن ہے، بخلاف اس کے اگر پہلے سے لکھ لیا جائے تو فراغِ خاطر، اطمینانِ قلب اور فرصتِ فکر و مراجعت کے سبب سے صحت و حفظ و وثوق کے ذرائع زیادہ ہیں۔ محدّث کا خود قرأت نہ کرنا، اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ دوبارہ سن کر اپنے مسودہ کی تصحیح کر سکے۔ کیونکہ خود پڑھنے میں اکثر دیکھا گیا کہ زبان و نظر اپنی یاد کی بنا پر غلط لکھے ہوئے کو صحیح پڑھتی ہے، دوسرا اجنبی شخص ہر سطر پر بار بار ٹھہرتا ہے۔ اور اس طرح معلّم کو ہر مرتبہ غلطی پر تنبیہ ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی بہتر مصلحت اس میں یہ ہے کہ اکثر فقہائے محدثین احادیث و آثار کے ساتھ اپنی ذاتی رائے یا کسی لغت کی شرح بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ امام زہری کا یہی طرز تھا، لیکن اس طرز میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اکثر طلبہ اصل اور اضافہ میں تمیز نہیں کر سکتے تھے متن حدیث اور شیخ کے کلام میں ان کو اشتباہ ہوتا تھا، امام مالکؒ کا جو طرز تھا وہ نہایت محفوظ تھا، اصل تو کاتب پڑھتا تھا اور اضافہ خود اپنی زبانِ مبارک سے ادا کرتے تھے، اس طرح ہر طالب علم کو اصل و اضافہ و ادراج میں فرق معلوم ہو جاتا تھا۔

مجلس درس کی شہرت: ایک تو مدینہ خود اسلام کا گہوارہ اور نسلاً بعد نسل علم دین کا مرکز تھا۔ دوسرے یہ کہ امام ہمام کا خاندان ابتدا سے علم کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا تھا، ان اضافی اوصاف کے ساتھ خود ذاتی جوہر نے وہ پر و بال نکالے کہ دنیائے اسلام مشرق سے مغرب تک

---

[1] تزئین نقلاً عن فضائل مالک لابن فہر،

امام کے آوازۂ شہرت سے معمور ہوگئی اور امام کی درسگاہ اختلافِ مرز و بوم کی بوقلمون زار بن گئی۔

وسعت جغرافی: ایک طرف سیتان دوسری صدی کی مملکت اسلام کا مشرقی گوشہ، اور دوسری طرف قرطبہ دنیائے اسلام کا مغربی گوشہ دونوں کے ڈانڈے مدینۃ الرسول کی سرحد میں آکر مل گئے (ممالک عرب) مدینہ، مکہ، صنعا، ایلہ، سیراف، عدن، طائف، یمامہ، ہجر، حضرموت، زبید، فدک بلقا (ممالک) شام، دمشق، عسقان، خلاط، مصیصہ، بیروت، حمص، طرسوس، رملہ نصیبین، حلب، بیت المقدس، اردن، صور، انطاکیہ (ممالک عراق) بغداد، بصرہ، کوفہ حران، موصل، جزیرہ، واسط، انبار، رقہ رہا۔ (ممالک عجم) جرجان، کرمان، ہمدان، رے، طالقان، نیشاپور، طبرستان، طوس، مدائن، قزوین، قوہستان، صنعان، آمد کردستان، دینور، سجستان (ممالک ترکستان) ہراۃ، بخارا، سمرقند، خوارزم، مرو سرخس، ترند، بلخ، نسا (ممالک مصر) مصر، اسکندریہ، فیوم، اسوان، تینس (ممالک افریقہ) افریقیہ، تونس، قیروان، برقہ، طرابلس، مغرب، مراکش (ممالک اندلس) طلیطلہ، سبطہ، باجہ، قرطبہ، سرقسط، اٹلی، سسلی (ایشیائے کوچک) ازمیر یعنی سمرنا[1] الغرض ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر سہ معلوم بر اعظم سے مسافرانِ علم کے کاروان بلا انقطاع مدینہ کا رخ کرنے لگے، اور اس طرح پیغمبر مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشنگوئی پوری ہوئی۔

عن ابی ھریرۃ عند الترمذی وابن حبان والطبرانی وعن ابی موسٰی الاشعری عند الحاکم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یضرب

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب لوگ طلب علم کے لئے

[1] خطیب نے روتہ عن مالک میں جن لوگوں کے نام لکھے ہیں، ہم نے سیوطی کی تزئین الممالک کے حوالہ سے ان کے اشرون کے نام دیکھ کر جمع کر دیے

الناس اکباد الا بل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینۃ واللفظ للترمذی قال الترمذی ھٰذا حدیث حسن	اونٹ ہنکائیں گے، لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم وہ کسی کو نہ پائیں گے،

جغرافی وسعت سے قطع نظر کرکے اگر مستفیدین وتلامذہ کے حلقہ پر نظر کی جائے تو ہماری حیرت میں متعدد وجوہ سے اضافہ ہوجاتا ہے کہ ایک شخصیت ایک یونیورسٹی کا کام کیونکر انجام دیتی تھی۔

تلامذہ ومستفیدین

اس حلقۂ درس نے کس قسم کے اشخاص پیدا کئے؟ اور اس فیضِ عام کا اثر کہاں تک پھیلا؟ اس کا جواب امام کے مسترشدین ومستفیدین وتلامذہ کی فہرست سے ظاہر ہوگا، محدث ذہبی لکھتے ہیں۔ وحدث عنہ اصم لایکادون یحصون امام مالک سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہے کہ جن کا شمار تقریبًا ناممکن[1] ہے"، تلامذہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اور علما کی مجلس سے فضل وکمال کی سند حاصل کرچکے تھے، بلکہ خود امام کے شیوخ بھی امام کے احسانِ علمی کے بار سے سبکدوش[2] نہ تھے، خود امام مالک فرماتے تھے کہ "بہت کم ایسے لوگ ہیں جن سے میں نے سیکھا ہے، اور آخر اُن کو خود مجھ سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑی[3]"۔

تلامذہ کی خصوصیات: امام کو اپنے تلامذہ ومستفیدین کی حیثیت سے بھی متعدد خصوصیات حاصل ہیں، جس کثرت جس رتبہ اور جس طبقہ کے لوگ امام کے حلقۂ فیض میں داخل ہیں، تمام محدثین وفقہا میں کسی کو نصیب

---

[1] تذکرۃ ذہبی ج ۱ ص ۱۸۷ حیدرآباد دکن [2] تقریب التہذیب مالک بن انس، [3] تزئین الممالک نقلاً عن فضائل مالک لابن محمد الزہرانی ص ۴۰،

نہیں، وذالك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو فضل عظیم،

کثرت عدد: ۱. کثرتِ تعداد کے لحاظ سے امام مالکؒ کے مستفیدین وتلامذہ کی تعداد ۱۳۰۰ سے زیادہ ہے ہم کو معلوم ہے کہ امام بخاریؒ کے شاگرد فربریؒ کی روایت کے مطابق بخاریؒ کے شاگردوں کی تعداد ۹۰۰۰۰ ہے، لیکن اگر عوام وخواص کی کثرت وقلت کوئی قابلِ امتیاز شئے ہے، تو نوّے ہزار عام انسانوں کی بھیڑ ان تیرہ سو منتخب روزگار کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جن میں باستثنائے چند (۴یا۵) ہرایک اس فن کا نکتہ دان اور بلند پایہ محدث ہے، اور یہ کون نہیں جانتا کہ

یکے مردِ جنگی بہ از صد ہزار

شہرت ومعرفت ۲. امام بخاری کے نوّے ہزار عام رواۃ کے حالات بجز ایک تعداد مخصوص (شاید) ۱۰ یا ۱۵) مجہول ومستور اور نام بنام غیر معلوم ہیں، لیکن امام مالکؒ کے رواۃ وتلامذہ نام بنام ایک ایک حالاً وخبراً جرحاً وتعدیلاً معلوم ومشہور ہیں، ابوبکر خطیبؒ بغدادی، ابن بشکوالؒ اندلسی قاضی عیاضؒ، شمس الدینؒ دمشقی، حافظ سیوطیؒ نے ایک ایک کو گن دیا ہے، ان کو عدداً وترتیباً بترتیب ہجا رسائل میں جمع کردیا ہے، فشتان بینهما،

۳. عموماً عام محدثین کے تلامذہ کی جغرافی حیثیت اس قدر وسیع نہیں جس قدر امام مالکؒ کی، ہم اس سے پہلے باب میں بہ تفصیل ایک ایک ملک وشہر کا نام لکھ چکے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ تمام عجم وعرب میں پھیلے تھے، لیکن افریقہؒ واندلسؒ اُن سے بے نیاز رہا۔ امام اوزاعیؒ کا علم اندلسؒ میں پھیلا، لیکن ممالک عجم ان سے مستفید نہ ہوئے، لیکن امام مالکؒ کے علم ومعارف نے دنیائے اسلام کے ایک گوشہ کو بھی اپنی غلامی سے آزاد نہ چھوڑا۔

در دیر وحرم کیست کہ آزاد بماند است

فضل وکمال: ۴. لیکن ہمارے نزدیک تلامذہ کی کثرت اور جغرافی وسعت

اس قدر مایۂ فخر نہیں ہے، جس قدر ان کا علوئے رتبہ رفعتِ کمال اور کثرتِ فضل امام مالکؒ اپنے ہمسروں میں جس قدر اس حیثیت خاص میں ممتاز ہیں، اس کو محض عطیۂ الٰہی سمجھنا چاہیئے، جو صرف عالم مدینہ کے لئے مقدر تھا۔ امام المحدثین زہری شیخ مالکؒ، امام صادقؒ جعفر بن محمد شیخ مالکؒ، امام الحدیث یحییٰ ابن سعید انصاری تابعی شیخ مالکؒ امام القراء نافعؒ بن ابی نعیم شیخ مالکؒ، ہشامؒ بن عروہ فقیہ مدینہ، امام ابو حنیفہؒ[۱]، امام شافعی ناقد الحدیث یحییٰؒ بن سعید القطان، سفیانؒ ثوری امام کوفہ اوزاعی فقیہ کوفہ، امام محمدؒ، قاضی ابو یوسفؒ، وکیعؒ بن الجراح، ابن ابی ذہبؒ فقیہ مدینہ، عبد اللہؒ بن دینار تابعی شیخ مالکؒ، سفیانؒ بن عیینہ امام الحدیث عبد اللہؒ بن مبارک امام خراسان، عبد الرحمان ابن القاسم فقیہ مصر، لیثؒ بن سعد امام مصر، سلیمان بن اعمش شیخ الحدیث، ایوبؒ سختیانی، شیخ مالکؒ، زبیرؒ بن بکار امام الحدیث، حجۃ الحدیث شعبہؒ بن الحجاج، امام السیر موسیٰ بن عقبہ شیخ مالکؒ ناقد الحدیث، عبدؒ الرحمٰن بن مہدی، امام الحدیث ابن جریجؒ وغیرہم، ائمہ کبار و ارباب فن امام مالکؒ کے حلقۂ مستفیدین و تلامذہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی اقلیم کا مستقل فرمانروا ہے،

۵۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک عجیب شے یہ ہے

تنوع طبقات : کہ امام کا حلقۂ افادہ اتنے مختلف الانواع طبقوں کو مشتمل ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مختلف سمت و جہت کے خطوط کیونکر ایک ہی مرکز کی طرف رجوع ہوئے۔

خلفائے اسلام

ابو جعفرؒ منصور، مہدیؒ، موسیٰؒ، ہادیؒ، ہارونؒ رشید، محمد امینؒ، عبد اللہ مامونؒ

---

[۱] رواۃ مالک للخطیب البغدادی ابن عساکر مسند امام، ابو حنیفہ لابن خسرو، دار قطنی کتاب الذبائح، بدر الدین زرکشی فی المنکت علی ابن الصلاح، مسند ابو حنیفہ لابی الضیاء الکمال الاکمال قلمی کتبخانہ بانکی پور فن حدیث نمبر ۲۴۷، شرح زرقانی ج ۱۔ ص ۳ مصر، تزئین الممالک سیوطی، ص ۵۸ محلّی شرح موطا مولانا عبد السلام حنفی قلمی مقدمہ ان تمام کتابوں میں امام ابو حنیفہؒ کے استفادہ کا ذکر ہے۔

امرائے بلاد

حسن بن مہلب شیبانی امیر خراسان، عبداللہ بن سعید بن عبدالملک بن مروان اموی
ہاشم بن عبداللہ التجی امیر برقہ (افریقہ)

تابعین و شیوخ امام

ابن شہاب زہری، یحیٰی بن سعید انصاری، محمد بن عبدالرحمان ابوالاسود، شعبہ
نافع القاری، جعفر صادق، ہشام بن عروہ، ربیعہ رائی، ابوسہیل نافع، سفیان ثوری،
حماد، ایوب سختیانی، محمد بن مطرف ابوغسان، عبداللہ بن دینار، یزید بن عبداللہ، وغیرہم۔

ائمہ محدثین

محمد بن عجلان، حیوٰۃ بن شریح، سلام التیمی، یحیٰی بن سعید القطان، یحیٰی بن بکیر،
یحیٰی مصمودی، زید بن اسلم، وہیب بن خالد، ابن ابی ذئب، وکیع بن جراح، ولید بن
مسلم الدمشقی، خالد امام خراسان، مسلم بن خالد الزنجی، سلیمان اعمش، زبیر بن بکار، ابراہیم
امام مصیصہ، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، ابن لہیعہ، عبدالرحمان بن مہدی، عبدالعزیز بن محمد
الدراوردی، ابونعیم فضل بن دکین، عبدالملک ابن جریج، عبدالرزاق بن ہمام، لیث بن
سعد، شیخ الاسلام محمد بن مبارک، ہیثم بن جمیل محدث انطاکیہ، قتیبہ بن سعید محدث خراسان
حافظ الحدیث ابومحمد زہرانی، سلیمان بن داؤد طیالسی، معن بن عیسٰی، ابومصعب زبیری،
ابوحذافہ سہمی، وغیرہم۔

ائمہ مجتہدین

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام محمد، امام ابی یوسف، امام ابن قاسم مالکی

فقہاء

حسن بن زیاد لولوئی صاحب ابی حنیفہ، عبداللہ بن وہب مفتی مصر، ابو عمر، اشہب فقیہ مصر، اسد بن فرات فقیہ افریقیہ

قضاۃ

ابراہیم بن اسحاق قاضی مصر، ایوب بن سوید قاضی سرو، اسد بن عمر قاضی، احرم بن حوشب قاضی ہمدان، داؤد بن منصور قاضی مصیصہ، شریک بن عبداللہ قاضی، شجرہ بن عیسیٰ قاضی قیروان (افریقہ) عبداللہ بن عمرو بن غانم قاضی افریقیہ، یحییٰ قاضی افریقیہ، یحییٰ بن بکیر قاضی کرمان، ابن اشرس العمری قاضی طرسوس، محمد بن عبداللہ الکنانی قاضی افریقہ، اسد بن فرات قاضی سسلی (اٹلی) زیاد بن بسیط قاضی طلیطلہ (اسپین) محمد بن سعید قاضی باجہ (اسپین)

زہاد و صوفیائے کرام

ابراہیم بن ادہم، ابونصر بشر بن حارث الزاہد، ثابت بن محمد الزاہد الکوفی، حسن بن حسین بن عطیۃ الصوفی، ذوالنون مصری، کارح بن رحمہ زاہد، محمد بن فضیل بن عیاض زاہد،

ادباء و شعراء

ابوالعتاہیہ شاعر، دعبل شاعر، محمد بن عبدالملک القعنبی شاعر، عبدالملک اصمعی لغوی، عمر بن سہل المازنی البصری نحوی،

مؤرخین

احمدؒ بن محمد بن ولید الازرقی صاحب تاریخ مکہ، موسیٰؒ بن عقبہ صاحب سیرت نبویؐ، محمدؒ ابن عمر الواقدی صاحب تصانیف کثیرہ، علیؒ بن محمد مدائنی صاحبِ انساب و تصانیف کثیرہ۔

مفسّر

مقاتلؒ بن سلیمان صاحب التفسیر

فلسفی

احمدؒ بن محمد صاحب بیت الحکمہ بغداد،

اس عہد کے بعد کے تمام محدثین کبار بلا استثناء امام مالکؒ کے بیک واسطہ بدو واسطہ، امام کے تلمذ سے مشرف ہیں، امام احمدؒ بن حنبل، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ترمذی، ابو داؤدؒ و نسائی مسانید و صحاح کے یہ تمام مُصنفّین صرف ایک واسطہ سے امام کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں۔ اور اس پر ان کو ناز و فخر ہے، یہ ناز و فخر آٹھویں صدی تک باقی ہے، جب کہ محدث کبیر شمس الدین ذہبی فخریہ لکھتے ہیں کہ "میں سات واسطوں سے امام کا شاگرد ہوں"، امام نووی کو بھی ساتویں صدی میں امام سے قربِ نسبت پر ناز ہے۔ مقدمۂ شرح مسلم میں اپنے استاد کے حال میں لکھتے ہیں،

قد وقع لنا اعلیٰ من هٰذه الکتب وان کانت عالیة موطا الامام مالک بن انس وهو شیخ الشیوخ المذکورین کلّهم

ایک کتاب کی سند مجھ کو کتب بخاریؒ مسلمؒ ترمذیؒ ابوداؤدؒ، نسائیؒ سب سے بہتر ملی اور وہ امام مالکؒ کی موطاؒ ہے جو ان تمام محدثین کے شیخ تھے۔

اگر بڑوں کے ساتھ چھوٹوں کا نام لینا سوءِ ادب نہ ہو تو اس ذرۂ بے مقدار کو بھی اس آفتاب کمال سے ایک قرب کی نسبت حاصل ہے، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ،

فقہ و فتویٰ

فقیہ و محدّث کا فرق: ایک مفتی اور فقیہ کا فرض ایک محدّث سے زیادہ ہے، محدّث صرف ایک سرمایہ دار ہے، فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عالم کاروبار میں آتا ہے، کھرے کھوٹے کی تمیز، احکام کی تفریع، عموم کی تخصیص، خصوص کی تعمیم، مطلق کی تقیید، مقید کا اطلاق، ناسخ و منسوخ کی تفریق، اوامر و سنن کی ترتیب، احکامِ غیر منصوصہ کا قیاس، احکام کے علل و مصالح کی تلاش، ضروریاتِ انسانی کے مطابق احکامِ شرعیہ کا اعلان، رعایا و حکومت کے لئے قوانین کی تدوین، یہ ایک فقیہ و مفتی کے عام فرائض ہیں، جو ایک محدّثِ محض کے رتبہ سے بلند تر ہیں۔

عہدِ نبویؐ: حیات نبوی میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تک تھی، ان میں سے ۳۰ ہزار خاص مدینہ میں متوطن تھے، اور باقی ادھر ادھر، بحرین و یمن، مکہ و طائف وغیرہ بلادِ عرب میں پھیلے تھے۔

اصحابِ صفہ: مدینہ سے باہر دوسرے شہروں اور قبیلوں کے لئے یا فقہائے صحابہ جن کا اس زمانہ میں قراء نام تھا جو اکثر اصحابِ صفہ ہوتے تھے، بھیجے جاتے تھے، یا ان میں سے ایک دو کو چند روز آنحضرت صلعم اپنی صحبت میں رکھ کر، احکام و سنن کی تعلیم دے کر ان کو ان کے شہر و قبیلہ میں واپس فرما دیتے تھے، مدینہ کے اندر خود شارع علیہ السلام کا وجود اقدس کارفرما تھا۔ خود عہدِ نبوت میں ۳۰ ہزار صحابۂ مدینہ میں سے ۱۰۰ آدمی مسجد مدینہ کے صفہ (چبوترہ) پر شب و روز طلب علم

[1] مقدمہ ابن صلاح باب ۲۹

میں مصروف تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد ۲۴۔۲۵ برس مدینہ تمام دنیائے اسلام کا مرکز رہا ہر قسم کے احکام وفتاوی کا فیصلہ یہیں ہوتا تھا۔ تمام اکابر صحابہ یہیں تشریف فرما رہے۔

فقیہ ترین صحابہ جن کے فقہ وفتاوی واحکام اگر الگ الگ ترتیب دیئے جائیں، تو ایک ایک مستقل جلد تیار ہو جائے ہسات شخص تھے، عمرؓ بن الخطاب علیؓ بن ابی طالب عبداللہ ابن مسعودؓ، ام المومنین عائشہؓ، زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہؓ بن عمرؓ

طبقۂ ثانیہ: ان کے بعد وہ اشخاص ہیں۔ جن کے فتاوی واحکام وقضایا ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں، اس جماعت میں تقریباً ۲۰ اشخاص ہیں، ابوبکر صدیقؓ، ام المومنین ام سلمہؓ، انسؓ بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عثمانؓ بن عفان، عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، سلمانؓ فارسی، جابرؓ بن عبداللہ، معاذ بن جبلؓ، طلحہؓ، زبیرؓ بن العوام، عبدالرحمان بن عوفؓ، عمران بن حصینؓ، ابوبکرؓ، عبادہ بن صامتؓ، معاویہؓ بن ابی سفیان،

طبقۂ ثالثہ: تیسرا طبقہ ان صحابہ کا ہے جن کے مجموعی قضایا وفتاوی صرف ایک مختصر رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں[1]۔ ان میں عام صحابہ داخل ہیں۔

صحابۂ مدینہ وغیر مدینہ: حضرت علیؓ نے ۴ برس اپنے خلافت کے کوفہ میں بسر کئے، ان کے ساتھ سلمان فارسیؓ بھی تھے، اسی طرح فتنہ کے بعد حضرت انسؓ اور ابن مسعودؓ بھی آخر عمر میں کوفہ چلے گئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے عہد میں بصرہ کے والی ہوئے، حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے زمانہ میں مکہ وطائف میں رہے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اخیر زمانہ میں مصر میں رہتے تھے، امیر معاویہؓ تمامتر شام میں رہے، ان کے علاوہ یہ تمام بزرگوار جن کے نام ہم نے اوپر پہلے اور دوسرے طبقہ میں گنائے ہیں۔ انہوں نے مدینۃ الرسول

---

[1] یہ تفصیل مقدمہ اعلام الموقعین ابن خرم اندلسی میں ہے۔ ص ۱۳ مصر۔

ہی میں اپنی تمام عمر بسر کی،

فقہائے تابعین مدینہ: صحابہ کے دور کے بعد تابعین کا طبقہ ہے، تابعین میں محدثین تو سینکڑوں ہیں، جن میں سے اکثر کے نام شیوخ مالک کی فہرست میں گذرے، لیکن فقہا میں مشہور ترین اشخاص خارجہ بن زید بن ثابت، سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رض، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن حارث، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، ابوبکر بن عمرو،

مجلس فقہ مدینہ: خلیفہ عمر بن عبدالعزیز، سعید بن المسیب ہیں، ان بزرگوں کا مدینہ میں بیک وقت اجتماع تھا. ہر قسم کے قضیئے، احکام اور فتوے انہی بزرگوں کی مخصوص مجلس میں طے پاتے تھے[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز جب مدینہ کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس مجلس کو اور باقاعدہ کر دیا، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ کو بلا کر اپنی مجلس کے ارکان شوریٰ مقرر کئے[2]۔ تمام احکام و مقدمات ان ججوں کی بحث و مذاکرہ کے بعد طے ہوتے تھے، اور وہ مدینہ کی عدالت کا حکم فقہی تسلیم ہوتا تھا جس میں زیادہ مدد حضرت عمر رض کے قضایا و احکام سے لی جاتی تھی کہ ان کے عہد حکومت میں وسعت فتوحات نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں، حضرت عمر رض ان کا فیصلہ فقہائے صحابہ کی مجلس شوریٰ میں کرتے تھے اس بنا پر مدینہ کی فقہ کا بڑا حصہ امام مالک سے پہلے خود حضرت عمر رض کے زیر ریاست صحابہ کی مجلس میں، اور ان کے نواسہ عمر بن عبدالعزیز کی زیر صدارت تابعین کی مجلس میں مرتب ہو چکا تھا،

---

[1] فتح المغیث ص ۳۹۹، ہند، [2] الاخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ص ۳۱۳، مصر،

فقہ مالک: امام مالک کے فقہ وفتاویٰ کی بنیاد اسی **فقہ مدینہ** پر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی کے مقدمہ میں لکھا ہے" امام مالک بنائے فقہ را بر حدیث آنحضرت صلعم نہادہ است، کہ مسند باشد یا مرسل ثقاۃ بعد ازاں بر قضایائے عمر، وبعد ازان بر فتوائے ابن عمر وبعد ازاں بر فتاوائے سائر صحابہ وفقہائے مدینہ، سعید بن مسیب وعروہ بن زبیر، قاسم وسالم، وسلیمان بن یسار، وابو سلمہ وابوبکر بن عبد الرحمان وابوبکر بن عمرو عمر بن عبد العزیز"، موطا کے طرز استدلال اور احادیث وآثار کا جس نے بغور ودقت مطالعہ کیا ہے، وہ یقیناً اس کی تائید کرے گا کہ امام مالک کی فقہ وفتاویٰ کی یہی بنیاد واصول ہیں اور انہی اصول پر امام مالک کی فقہ وفتاویٰ کی یہی بنیاد واصول ہیں، اور انہی اصول پر امام مالک فتاوائے فقہیہ کا جواب دیتے تھے۔

امام مالک کے فضل وکمال کا تمام شیوخِ مدینہ کو اعتراف تھا، تاہم امام مالک نے اس قدر احتیاط کی کہ جب تک ستر علمائے عظام نے امام صاحب کی قابلیت واستحقاق کا فتویٰ نہ دیا، امام صاحب نے اس مرتبۂ عالی پر قدم رکھنے کی ہمت نہ کی[۱]، عادت مبارک ہمیشہ یہ جاری رہی کہ جب کسی فتوے کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے مَا شَاءَ اللهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کہتے۔

حکومت کا اعلان: نہ صرف مدینہ وحجاز بلکہ اطرافِ ملک سے سائلین کا اژدہام رہتا تھا، موسم حج جب کہ تمام دنیائے اسلام کو ایک عرصۂ عرفات میں جمع کر دیتا تھا۔ اور تمام علمائے دین کوفہ، بصرہ، خراسان وغیرہ سے سمٹ سمٹ کر ایک حرم مکہ میں جمع ہو جاتے تھے تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ امام مالک اور ابن ابی ذہب کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دے[۲]۔

حکومت کے مقابلہ میں آزادی فتویٰ طلاق مکرہ: حکومت کی اس تعظیم وتکریم کا نتیجہ شاید دوسروں پر

---

[۱] تزئین الممالک عن ابن نعیم ص ۸ [۲] ابن خلکان ترجمۂ مالک [۳] اس مسئلہ کے متعلق مجھے اپنے

یہ ہوتا کہ وہ کم ازکم مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے کے خلاف، حکومت کے مشورہ کی تعمیل کرتے، لیکن امام صاحب اپنی حریت رائے اور اعلان حق میں اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اگر کوئی شخص زبردستی مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور اس نے ڈر کر بجبر و اکراہ دیدی تو امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہوجائیگی لیکن امام مالک اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی[۱] والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی جو خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے امام کو حکم دیا کہ وہ فتویٰ نہ دیں، لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا اور آخر اس کے لئے کوڑوں کی سزا تک گوارا کی،

لا ادری: یہ اعلان حق اور حریت رائے تو حکومت کے مقابلے میں ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ شدید موقع اعلانِ حق کا اپنے نفس کے مقابلہ

بقیہ صہ ۴۹ سے۔ زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ یاد آگیا، ہمارے استاذ فقہ مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرس اول دارالعلوم و تلمیذ رشید مولانا لطف اللہ صاحب اطال اللہ بقاہما ہیں جناب مفتی صاحب کو فقہ حنفی کی صحت کلی میں نہایت شدت کے ساتھ غلو ہے اور جس سے میں بدرجۂ طفولیت سے محروم ہوں، طلاق مکرہ کے مسئلہ میں ہماری جماعت میں اختلاف ہوا۔ میرے سوا تمام طلبہ وقوع کے قائل تھے، میں حضرت عائشہ کی حدیث لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق (حالت جبر و اکراہ میں طلاق و عتاق نہیں) پیش کرتا تھا اور ان کی طرف سے ثلث جدھن و ھزلھن سواء (تین چیزوں میں اظہار واقعیت اور مذاق دونوں برابر ہیں، طلاق ...) کی حدیث پیش کی جاتی تھی۔ میں کہتا تھا کہ طلاق مکرہ نہ جد (واقعیت) ہے نہ ہزل (مذاق) "ہزل" تو متفقاً نہیں ہے، اس لئے نہیں کہ "جد" نام ہے۔ خواہش حقیقی و واقعی کے اظہار کا جو بحالت اکراہ غیر ممکن ہے! بالآخر یہ معاملہ جناب مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا، مفتی صاحب نے استدلال عقلی کے طور پر فرمایا کہ زبان سے لفظ طلاق ادا کرنا انسان کا ایک فعل ہے، اور افعال کا اثر محتاج نیت و ارادہ و اظہار واقعیت وغیر واقعیت نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی کو تم ایک طمانچہ مارو جو تمہارے ہاتھ کا ایک فعل ہے تو اس کا اثر یعنی چوٹ اور صدمہ محسوس و واقع ہوگا۔ خواہ مارنے کے لئے تمہارا ارادہ و خواہش واقعی ہو یا نہ ہو، اسی طرح لفظ طلاق کے نطق کا جو اثر ہے وہ ہر حال میں واقع ہوگا۔ اس استدلال کو سن کر میں تھوڑی دیر کے

میں ہے، مفتی کے لئے جس قدر پہلی قسم کی حریت کی حاجت ہے اس سے زیادہ دوسری قسم کی حریت کی ضرورت ہے، لیکن امام صاحب جس طرح پہلی منزل میں مستقیم تھے، دوسری منزل میں بھی درماندہ نہ تھے، امام صاحب سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ پر اطلاع نہ ہوتی تو نہایت متانت وکشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے تھے کہ لاادری، میں نہیں جانتا، امام کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر میں امام مالک کی لاادری لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں[1]

ممالکِ بعیدہ (اکثر دور کے شہروں سے) کے استفتائ سے احتراز

: جو مستفتی آتے تھے امام صاحب حتی الوسع ان کو جواب دینے سے احتراز کرتے، ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ ایک شخص نہایت دور دراز مسافت سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے ایک مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے فرمایا کہ "میں اس کو اچھی طرح نہیں جانتا" سائل نے کہا کہ "میں چھ مہینہ کی راہ طے کر کے صرف اس مسئلہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں، جن لوگوں نے مجھ کو بھیجا ہے، میں ان کو جا کر کیا جواب دوں گا،" امام صاحب نے فرمایا کہ کہدینا کہ "مالک نے کہا کہ میں نہیں جواب دے سکتا"[2] اسی قسم کا ایک واقعہ ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے، کہ ایک شخص نے فتویٰ پوچھا،

بقیہ حاشیہ ص۵۰ لئے خاموش ہوگیا، لیکن پھر علی الفور خدا نے مجھے ایک حجت القا کر دی میں نے عرض کیا کہ افعال کے آثار دو قسم کے ہیں، اعتباری و واقعی، واقعی وہ جو ہماری تسلیم و اعتبار پر موقوف نہ ہو، بلکہ وہ حقیقتاً بلا اعتبار معتبر ہو، مثلاً ضرب کے لئے احساس صدمہ دوسرا صرف اعتباری، اگر اعتبار کیجئے تو اثر ہے، اور نہ اعتبار کیجئے تو اثر نہیں ہے مثلاً ایک مجنون کی لفظ طلاق کے ساتھ حرکت زبان، اگر شرع اعتبار کرے تو طلاق ہے نہ اعتبار کرے تو طلاق نہیں ہے۔ اس لئے بجائے استدلال عقلی کے صرف یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ مکرہ کے اس فعل کے اس اثر کو شریعت اعتبار کرتی ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حدیث عائشہ نے کر دیا کہ نہیں کرتی، ۱۲،

---

[1] تزئین الممالک ص ۱۴ عن ابی نعیم [2] جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۱۲۵ مصر،

تو آپ نے جواب دیا کہ "میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا"۔ اس نے کہا کہ "میں اتنے دور دراز راستہ سے اسی لئے آیا ہوں"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "جب اپنے گھر پہنچو تو کہہ دینا کہ" مالک کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا[1]

ایک اور واقعہ ابونعیم نے امام کے شاگرد وعبد الرحمان بن مہدی کی زبانی اختیار کیا ہے کہ ایک شخص چند روز تک ایک فتویٰ کے جواب کے لئے حاضر خدمت ہوا، ایک دن اس نے عرض کیا کہ میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا جو کچھ جواب ہو ارشاد فرمایئے یہ سنکر آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ میں اسی مسئلہ کا جواب دیتا ہوں جس میں کچھ بہتری جانتا ہوں، تمہارے اس مسئلہ کو میں اچھی طرح نہیں جانتا۔

امام صاحب کا یہ احتراز درحقیقت شدت تقویٰ اور ایک نہایت، دقیق نکتہ پر مبنی تھا مفتی کی حالت یہ ہے کہ آج وہ ایک مسئلہ کی نسبت ایک رائے رکھتا ہے، دوسرے دن اس سے صحیح تر صورت اس کے خیال میں آتی ہے، ایسے موقع پر شہر اور اس کے قرب وجوار میں مستفتی کو اپنی غلطی سے اطلاع دے سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں جب وسائل سفر وخبر آسان نہ تھے، ممالکِ بعیدہ میں تصحیح وتغلیط کی اطلاع مشکل تھی۔ امام صاحب کے ایک مصری دوست نے حیرت سے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ ان بے چاروں کو جو کوسوں سے مصائب سفر ومصارف راہ برداشت کر کے آتے ہیں، کیوں واپس کر دیتے ہیں، امام صاحب نے جواب دیا کہ مصری مصر سے، شامی شام سے، عراقی عراق سے آتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں، شاید جو جواب میں نے آج دیا ہے اس کی بجائے کل مجھ کو کچھ اور جواب معلوم ہو"۔ حضرت لیثؒ مصری نے جب امام کا یہ قول سنا تو رو پڑے کہ مالکؒ لیثؒ سے قوی تر ہے، اور لیثؒ ان سے کمزور تر۔

---

[1] تزئین الممالک ص ۱۶ عن الشافعی

رائے پوچھنے پر زجر رائے کا ظنی ہونا: فتووں کے جواب میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ کَذَا۔ آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا ہے، سائل نے کہا کہ آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی[۱] فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، جب کسی مسئلہ قیاسی کو بیان فرماتے تو پہلے یہ آیت پڑھ دیتے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ[۲]

جواب میں کاوش وفکر: مسائل وفتاویٰ کا جواب ہمیشہ نہایت دقتِ نظر اور کاوش فکر سے دیتے تھے ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ ایک بار امام صاحب نے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا مسئلہ پیش آجاتا ہے کہ خواب وخور حرام ہو جاتا ہے، ابن ابی اویس نے کہا آپ کی بات تو لوگوں کو نقش فی الحجر کی طرح تسلیم ہوتی ہے۔ پھر آپ یہ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں، امام کس نکتہ سنجی کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ "ابن ابی اویس اس حال میں توجہ کو اور بھی کاوش کرنی چاہیئے"[۳]

انصاف پسندی: اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہوتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کیا وضو میں پاؤں کی انگلیوں میں تخلیل کرنی چاہیئے؟ امام نے فرمایا لَیْسَ ذَالِکَ عَلَی النَّاسِ ابن وہب امام کے شاگرد بیٹھے تھے، مجلس کے بعد انہوں نے کہا کہ تخلیل کی حدیث ایک میرے پاس ہے، امام نے سُن کر کہا کہ حدیث حسنٌ اور اس کے بعد پھر ہمیشہ فتویٰ اس کے موافق دیا۔[۴]

امام مالک تقریباً ۷۰ برس متصل فقہ وفتاویٰ میں مصروف رہے، امام کے تلامذہ

---

[۱] تزئین الممالک عن ابی نعیم ص ۱۴ [۲] مناقب مالک للزاوی ص ۳۹ عن سعید بن سلیمان [۳] الزادی عن عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز ص ۱۳ [۴] الزوادی عن ابن وہب ص ۱۳۷،

نے امام کے مسائل فقہیہ و فتاویٰ کو مدون بھی کیا ہے، سب سے پہلی کتاب اسد بن الفرات قاضی افریقہ کی "اسدیہ" ہے اور سب سے ضخیم کتاب ابن قاسم المتوفی ۱۹۱ھ کی "المدونۃ" ہے جو خود امام کی زندگی میں مدون ہو رہی تھی، مدونہ مصر میں اب چھپ گئی ہے، تیسری کتاب ابن وہب مصری المتوفی ۱۹۷ھ کی کتاب المجالسات عن مالک ہے، ان کتابوں میں امام کے ہزاروں فتاویٰ مدون ہیں، ابن قاسم مصنفِ مدونہ کی نسبت مشہور ہے کہ ان کو امام کے ۴۰ ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔

اعتراف

دنیا میں ماہرین فن کا اعتراف اگر فضیلت کا کوئی معیار ہے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس معیار کی بنا پر امام مالک کا پایہ نہایت بلند ہے، امام مالک اربابِ رائے میں داخل ہیں، محدثین نے ارباب رائے کا کم اعتراف کیا ہے، لیکن امام مالک باوجود انتسابِ رائے، محدثین میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو صاحبِ فن اپنے اتباع اور مقلدین میں رکھتا ہے! یحییٰ بن معین جو حدیث و رجال کے ناقد ہیں کہتے ہیں "مالک امیر المؤمنین فی الحدیث" مالک اقلیمِ حدیث کے بادشاہ ہیں" محدث کبیر سفیان بن عیینہ کہتے تھے "ہم لوگ مالک کے سامنے کیا چیز ہیں؟ ہم لوگ تو ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ "روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں"۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے "حدیث آئے تو مالک ستارہ ہیں"۔ محدث ابن نہیک کا قول ہے کہ صحتِ حدیث میں میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا"۔ امام ابن حنبل سے ایک شخص نے پوچھا کہ "اگر کسی کی حدیث وہ زبانی یاد کرنی چاہے تو کس کی کرے؟" جواب دیا کہ مالک بن انس کی، ابن مہدی جو نہایت

مشہور محدث ہیں ان سے ایک شخص نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ مالک ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہیں"، انھوں نے فرمایا میں نے تو یہ نہیں کہا، لیکن یہ کہتا ہوں کہ مالک ابوحنیفہ کے استاد (حماد) سے بھی زیادہ فقیہ ہیں"

سفیان بن عیینہ باایں ہمہ علم وفضل، حلال وحرام، اور حدیث معمول کا املا **امام مالک** کے حلقہ میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ اور وہاں سے اٹھ کر اپنے مستفیدین کے حلقہ میں بیٹھتے تھے، سفیان ثوری جو مجتہد مستقل ہیں وہ مناسک حج میں امام کی پیروی کرتے تھے، ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں فرماتے ہیں کہ اصحاب زہری میں مالک سے بڑھ کر کوئی اثبت نہیں" ابن معین کا دوسرا قول ہے۔ کان مالك من حجج الله علی خلقه یعنی "مالک خدا کی طرف سے خلق پر ایک حجت تھے" یحییٰ بن سعید القطان جو امام حدیث ہیں فرماتے ہیں کہ "مالک اس امت کے لئے رحمت تھے" ابن ابی حازم نے ناقد حدیث دراوردی سے پوچھا کہ "اس خدائے کعبہ کی قسم! مالک سے بڑا کوئی عالم تم نے دیکھا؟" جواب دیا کہ "خدایا نہیں"

عام حالات

خلافت امویہ کا اختتام: اب ہم مجلس درس وافادہ سے اٹھ کر دربار شاہی میں آتے ہیں، امام صاحب ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ولید سریر آرائے خلافت دمشق تھا، لیکن پچیس برس بعد ۱۱۷ھ میں جب امام تعلیم سے فارغ ہو کر شہرت عام حاصل کر رہے تھے، تو خلافت امویہ دمشق کا دم بازپسین تھا، یہ ہشام بن عبدالملک کا عہد اخیر تھا، ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی، اس کے بعد ۸ برس کی مدت میں

ولید بن ولید، ابراہیم بن ولید، اور مروان بن محمد بن مروان چار بد قسمت بادشاہوں کے اوراقِ حکومت جلد جلد الٹ گئے، تا آنکہ ۱۳۳ھ میں خلافتِ عباسیہ کے نام سے تاریخ کا نیا باب شروع ہوا،

خلافتِ عباسیہ کا پہلا تاجدار ابو العباس سفاح ہے۔

خلافتِ عباسیہ: اس کا زمانۂ خلافت ساڑھے چار برس ہے جو صرف عہد جدید کے انتظام و تدابیر اور خانہ جنگیوں میں صرف ہو گیا، اس کی خلافت کے اخیر سال ۱۳۶ھ میں اس کا بھائی ابو جعفر منصور سالار حجاج بن کر حجاز گیا، اور آخر اسی سفر مبارک کی واپسی میں مژدہ خلافت اس کے گوش گزار ہوا، لیکن حقیقت میں ۱۳۸ھ تک یعنی جب تک ابو منصور خراسانی قتل نہ ہوا، وہ خلیفہ نہ تھا، ۱۳۹ھ میں بغداد تعمیر ہوا، اور بغداد کے سنگِ بنیاد کے ساتھ عباسیہ کی حکومت کی بنیاد بھی اس نے ایک مضبوط چٹان پر قائم کی، ان کاموں سے فراغت پا کر ۱۴۰ھ میں حج و زیارت کے لئے مکہ معظمہ[1] اور مدینہ منورہ آیا۔

خانوادۂ خلافتِ عباسی جو اب اوجِ کمال پر تھا، چند سال پہلے صرف شرفائے قریش کا ایک گھرانا تھا اس لئے منصور طلبِ علم، اساتذہ کی صحبت، علمی مجلسوں کی

---

[1] امام مالک اور خلیفہ منصور کے متعلق تاریخ و مناقب کی کتابوں میں بہت سے منتشر و پراگندہ اور متضاد الالفاظ و عبارت کے واقعات مذکور ہیں جن میں باہم کوئی ترتیب تاریخی بھی نہیں ہم ان کو یہاں با جمال و تلخیص ذکر کرتے ہیں، اتنا معلوم ہے کہ یہ تمام واقعات موسم حج کے اجتماع میں پیش آتے تھے۔ کتب تاریخ سے منصور کے سفر حج کی تاریخیں ثابت ہیں، ایک ۱۳۹ھ میں قبل خلافت اس کا تو شمار نہیں، خلافت کے بعد تین دفعہ اس نے سفر حج کئے ہیں پہلا ۱۴۰ھ میں دوسرا ۱۴۴ھ میں اور تیسرا ۱۵۸ھ میں، اسی تیسرے سفر حج میں حج سے پیشتر ۶؍ ذوالحجہ کو منصور نے انتقال کیا۔ (اخبار الطوال ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ طبع مصر ص ۳۶۴-۳۸۵)

غالباً یہ تمام واقعات انہی موقعوں کے ہیں۔

نشست میں اسی طرح برابر کا شریک تھا جس طرح دیگر اشراف وسادات کے خاندانوں کے ہونہار بچے، منصور اس انقلاب سے پہلے مدینہ کی درسگاہ کا ایک طالب العلم اور امام مالک کے طبقہ کا ایک شریک صحبت تھا۔

خلافت کے بعد منصور کے لئے حج کا یہ پہلا موقع تھا، شہر کے شرفا اور علما اس کے استقبال کے لئے نکلے، سفیان ثوری، سلیمان خواص اور امام مالک بھی ملنے کے لئے آئے کہ کل تک تو علم حدیث کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ یہ برابر کا شریک تھا، دیکھیں اب وہ کس حال میں ہے۔ دربار میں حجاز کے تمام علماء اور فقہا موجود تھے منصور نے امام صاحب کی طرف روئے خطاب کر کے کہا" اے ابوعبداللہ! (امام کی کنیت) میں اختلافات فقہی سے گھبرا گیا ہوں، عراق میں تو کچھ نہیں ہے، شام میں صرف جہاد کا شوق ہے، وہاں کوئی بڑا علم نہیں، جو کچھ ہے وہ حجاز میں ہے اور حجاز کے علماء کے سرخیل آپ ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اس تصنیف (موطا) کو خانہ کعبہ میں آویزاں کردوں، کہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں، اور تمام اطراف مملکت میں اس کی نقلیں بھیجوں تاکہ اسی کے مطابق لوگ فتویٰ دیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کی تالیف کی خواہش ظاہر کی جو ابن عباس رض اور ابن مسعود رض وابن عمر رض کے اصول فقہ کے بین بین اور معتدل ہو۔ اس کے بعد امام صاحب نے **مؤطا** تالیف کی۔

امام کا انکار: بہر حال جاہ پسند علماء کے لئے یہ وہ طلائی موقع تھا کہ جس سے زیادہ کوئی بیش قیمت ان کو کبھی نہیں مل سکتا تھا لیکن امام صاحب کے لئے یہ بھی لغزشِ قدم کا باعث نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ" صحابہ تمام اطرافِ ملک میں پھیل گئے تھے، ان کے فتاویٰ اور احکام اپنے اپنے مقام میں وراثتہً ان کے فقہا اور علماء تک پہنچے ہیں، اور ہر جگہ وہی مقبول ہیں۔

ایسی حالت میں ایک شخص کی رائے وعقل پر جو صحت وغلطی دور کر سکتا ہے تمام ملک کو مجبور کرنا مناسب نہیں منصور نے کہا، اگر آپ مجھ سے متفق ہوتے تو میں یہی کرتا[1]۔

ایک بار اس نے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ! تم سے بھی زیادہ کوئی عالم ہے؟ امام نے فرمایا "ہاں" پوچھا "وہ کون ہے" فرمایا "ان کے نام یاد نہیں" منصور نے کہا "میں بنوامیہ کے زمانہ میں طالب علم رہ چکا ہوں، سب کو جانتا ہوں[2]۔"

امام مالکؒ کے فضل وکمال کا اعتراف منصور نے نہ صرف امام کے سامنے کیا بلکہ پیچھے بھی کرتا تھا، سفیانؒ ثوری اور سلیمانؒ خواص ایک بار منصور سے ملنے گئے، منصور نے خیمہ کے اندر بلایا۔ سفیانؒ ثوری نے کہا کہ یہ فرش جب تک اٹھایا نہ جائے میں نہیں آسکتا، فرش اٹھ گیا تو آیت مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ "اسی خاک سے تم کو پیدا کیا، اور اسی خاک میں تم کو ملائیں گے، اور پھر اسی خاک سے تم کو اٹھائیں گے۔" پڑھتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے، منصور آبدیدہ ہو گیا، سفیانؒ ثوری دیر تک بالفاظ سخت نصیحت کرتے رہے۔ پھر اٹھ کر چلے آئے، بوعبیدؒ جو دربار کا ایک عہدہ دار تھا، اس نے کہا "امیر المومنین ایسے زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ منصورؒ نے کہا "خاموش! سفیانؒ ثوری اور مالک بن انس کے سوا کوئی نہیں جس کا ادب کیا جاتے۔

شاید یہ واقعہ تاریخی تم کو معلوم ہو کہ حضرت علیؓ کے بعد ہاشمیوں کے مقابلہ میں جب بنوامیہؒ نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی، تو بنو ہاشم نے جن میں بنو عباسؒ، بنو فاطمہؒ اور عام علویینؒ داخل تھے۔ سب مل کر ایک خلافتِ ہاشمیہ کے قیام کی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الامامۃ ابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۱۲۷، مناقب مالک للزواوی ص۲۳ باختلاف عبارت، [2] مناقب الزواوی ص۲۴ عن ابن ابی حاتم۔

مخفی کوششوں میں مشغول ہوگئے، اولاً کوششوں کا مرکز امامت، خاندانِ فاطمی وعلوی تھا، امام حسینؓ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت علیؓ کے غیر فاطمی صاحبزادہ امام ہوئے، ان کے بعد ابوہشام عبداللہ علوی، ابوہشام کا حمیمہ واقع شام میں انتقال ہوگیا، وہاں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کوئی اور ہاشمی موجود نہ تھا، اس لئے ابوہشام نے اپنی جانشینی کی وصیت محمد عباسی کے حق میں کی، یہ پہلا دن ہے کہ خلافت کا ادعا خاندان علوی سے منتقل ہوکر خاندان عباسی میں آتا ہے۔

محمد بن علی عباسی نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی، اور ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد عباسی امام تسلیم ہوئے، ابراہیم بن مروان اموی کے ہاتھ گرفتار ہوکر مر گئے یا مارے گئے، شیعہ عباسیین نے اس غم میں سیاہ کپڑے پہنے اور اس وقت سے سیاہ رنگ عباسیوں کا نشان ہوگیا، ابراہیم کے بعد ابوالعباس سفاح بنوہاشم کے سرخیل ہوئے۔ آخر ۱۳۲ھ میں اس کو کوششوں نے کامیاب کیا، سفاح نے کامیابی کے بعد حقِ خلافت بنوہاشم میں سے صرف بنو عباس کے ساتھ مخصوص کردیا۔

ایک طرف تو نئے تاجدار امویوں کے استیصال میں ان کی قبروں کی ہڈیاں تک اکھاڑ رہے تھے، اور اموی و مروانی چن چن کر جہاں ملتے تھے۔ مارے جا رہے تھے، خراسان کی وحشی سپاہ صوبوں کی تسخیر اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں جا و بیجا ہر قسم کے امور کا تمام ملک میں ارتکاب کررہی تھی، دوسری طرف تخصیصِ خلافت سے فاطمیوں اور علویوں میں ناراضی پیدا ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو قسمت کے ان نئے مالکوں سے جس امن و صلح و انصاف کی توقع تھی پوری نہ ہوئی تاہم سفاح تک عملاً کوئی ناراضی ظاہر نہ ہوئی، لیکن منصور نے احتیاط یا سوءظن کی بنا پر فاطمی وعلوی سادات کی بیخ کنی شروع کردی، آخر تنگ آکر انہی

سادات میں سے ۱۳۵ھ میں محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں علم بغاوت بلند کر دیا اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، لیکن تقدیر ساتھ نہ تھی، بڑی بہادری سے میدانِ جنگ میں جاکر مارے گئے، ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم اس سروسامان سے نکلے کہ منصور بدحواس ہوگیا، چند مہینوں کے بعد ابراہیم کی شہادت پر جنگ کا خاتمہ ہوگیا، منصور نے اپنے عمزاد بھائی جعفر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔

امام مالک منصور کی ملاطفتوں کے باوجود ان تمام کوششوں میں حق کے ساتھ تھے۔ امام صاحب نے فتویٰ دیا کہ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے" لوگوں نے پوچھا کہ "ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا" منصور نے جبراً بیعت لی ہے، اور جو کام جبراً کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں، حدیث ہے کہ اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی"۔

طلاق مکرہ کا فتویٰ: جعفر نے مدینہ پہنچ کر نئے سرے سے لوگوں سے بیعت لی، امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آیندہ طلاق جبری (مکرہ) کے عدم اعتبار کا فتویٰ نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری و عدم صحت کے لئے سند ہاتھ آئے، امام سے ترک حق کی توقع کس قدر بیجا خواہش تھی! امام صاحب بدستور معاملہ جبری کے عدم صحت کا فتویٰ دیتے رہے، سلیمان نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں، امام دارالہجرۃ کو محکمہ امارت میں گنہگاروں کی طرح لایا گیا، کپڑے آتارے گئے، اور شانۂ امامت پر دست ظلم نے ستر کوڑے پورے کئے، تمام پیٹھ خون آلودہ ہوگئی۔ دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر گئے، اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے، امام صاحب بایں حال زار

---

[1] ان واقعات کیلئے دیکھو کتاب الامامہ ج ۲ صفحہ ۲۸۲، ابن خلدون ج ۳ ص ۱۹۰

بازاروں اور گلیوں سے گذر رہے تھے، اور زبانِ صداقت نشان بآواز بلند کہہ رہی تھی، جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا ہے، وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، فتویٰ دیتا ہوں کہ "طلاق جبری درست نہیں"۔[1]

اس کے بعد اسی طرح خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف لائے، پشتِ مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں سے فرمایا کہ "سعید بن مسیب کو جب کوڑے مارے گئے تھے تو انہوں نے بھی مسجد میں آکر نماز پڑھی تھی"[2]۔ یہ تعزیر گو تحقیر کے لئے تھی، لیکن اس نے امام کی عزت و وقار کے پایہ کو اور بلند کر دیا، یہ واقعہ ۱۴۷ھ کا ہے[3]۔

منصور کی لاعلمی اور ندامت

: بقول ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ (اگر وہ کتاب الامامۃ کا مصنف ہے) جعفر والی مدینہ کی یہ حرکت منصور کو پسند نہ آئی، اور فوراً اس کو معزول کر کے بذلت تمام گدھے پر سوار کر کے بغداد طلب کیا، اور امام مالک کو معذرت کا خط لکھا۔

دوسرے سال ۱۵۰ھ میں جبکہ تمام حجاز و عراق میں سکون ہو چکا تو حج کے ارادہ سے منصور حجاز آیا، امام مالک ملنے کو آئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ حج سے پہلے خود امام کو بغداد بلایا گیا۔ تو نہایت تعظیم سے ملا اور بوثوق کہا کہ "نہ میں نے تعزیر کی اجازت دی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا" امام صاحب نے فرمایا کہ "ہاں آپ کو اطلاع نہ ہوگی"۔ اس تمہید کے بعد منصور نے سلسلۂ تقریر اس طرح شروع کیا۔

"اے ابو عبداللہ! جب تک آپ زندہ ہیں آپ اہل حرمین کے

---

[1] طبقات ابن سعد ترجمۂ مالک، مناقب مالک للزواوی [2] تزئین الممالک نقلاً عن الخطیب روایۃً عن ابی وہب ص ۱۳ [3] کتاب الانساب للسمعانی ترجمۂ اصبحی۔۔

ملجا وماویٰ ہیں، جن مصائب کا ان کو نشانہ بننا چاہیئے صرف آپ کی
ذات سے وہ ان سے محفوظ ہیں، مجھ کو جہاں تک علم ہے ان دونوں مقامات
کے باشندے نہایت فتنہ جو ہیں اور پھر ان میں اتنی طاقت بھی نہیں
کہ استقلال سے مقابلہ کر سکیں، میں نے دشمن خدا (جعفر) کی
نسبت حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ سے بغداد گدھے پر سوار ہو کر جائے
اور اس کو ذلت وایذا پہنچائی جائے۔

خلعت:۔ امام صاحب نے فرمایا "اس انتقام کی حاجت نہیں امیر المومنین اور پیغمبر خدا صلعم کی قرابت کی خاطر میں اس کو معاف کرتا ہوں[1]"۔
منصور نے خلعت پیش کیا، قاعدہ تھا کہ خلعت کے کپڑے درباری کے کندھے پر
رکھ دیئے جاتے تھے۔ حاجب نے یہی عام طریقہ امام صاحب کے ساتھ برتنا چاہا، امام
صاحب پیچھے ہٹ گئے، منصور نے حاجب کو ڈانٹا کہ "اس خلعت کو ابو عبداللہ کے
فرودگاہ میں پہنچادو"۔

منصور کی زبان سے تعزیر کا سبب: اس سوال وجواب اور تعظیم کے الفاظ کو چھوڑ کر
منصور کے الفاظ دوبارہ پڑھو، نظر آئے گا کہ امام مالک کی تعزیر کن اسباب
کا نتیجہ ہے اہل حرمین بغاوت پسند ہیں، اور آپ حرمین کے مقتدیٰ اور امام ہیں،
اس لئے بغیر آپ کے اشارہ کے یہ باتیں نہیں ہوئیں اور پھر منصور کی ستم ظریفی
دیکھو کہ باوجود اس علم کے کہ امام سادات کے طرفدار ہیں، مدینہ میں جو سادات
جرم بغاوت میں قید تھے، ان کے پاس اپنی طرف سے خود امام مالک کو
سفیر بنا کر بھیجا[2]

[1] کتاب الامامۃ ج ۲ ص ۲۹۰ تا ۲۹۷ [2] کتاب العبر ابن خلدون ج ۳ ص ۱۸۹

امام مالک کی طلبی: منصور کو ایک بار معلوم ہوا کہ علماء کو میری حکومت سے ناراضی ہے، اس نے خلاف وقت شب کو ابن ابی ذئبؒ وابن سمعان فقہائے حجاز اور امام مالکؒ کو طلب کیا، امام صاحب واقعہ سمجھ گئے، زندگی سے نا امید ہو کر غسل فرما کر کفن کے کپڑے پہن کر اور حنوط (مردوں کو لگایا جاتا ہے) مل کر دربار میں آئے، منصور نے کہا اے گروہ فقہا! مجھ کو ایک خبر معلوم ہوئی ہے. جس سے افسوس ہے، حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ سب سے پہلے تم میری اطاعت کرتے، اور مجھ کو برا کہنے سے باز رہتے، اگر مجھ میں کچھ عیب ہوتا تو تم مجھ کو نصیحت کرتے۔"

امام صاحب نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ

(مسلمانو اگر کوئی فاسق تم کو کچھ خبر دے تو اس کی تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں بے گناہوں کو ستاؤ، پھر اپنے کئے پر تم کو ندامت ہو۔"

منصور کی نسبت اظہار رائے سے انکار: منصور نے کہا اچھا بتاؤ کہ "میں تمہارے نزدیک کیسا ہوں؟" امام نے فرمایا. للہ مجھے اس کے جواب دینے سے معاف کرو"، منصور نے ابن سمعان کی طرف رخ کیا کہ "تم بتاؤ میں کیسا ہوں؟"

ابن سمعان بولے "امیر المومنین! آپ سب سے بہتر ہیں، حج کرتے ہیں جہاد کرتے ہیں، مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، اسلام کی پشت پناہ ہیں، عادل ہیں"، اب منصور نے ابن ابی ذئب سے پوچھا کہ ابن ابی ذئب! تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو" ابن ابی ذئب نے نہایت دلیری سے کہا کہ "تم بدترین مخلوق ہو، مسلمانوں کی

تمام دولت اپنی شان و شوکت میں صرف کرتے ہو، غریبوں کو ہلاک اور امیروں کو پریشان کر ڈالا، بتاؤ کل تم خدا کے سامنے کیا جواب دو گے"، منصور نے کہا "تم دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے یہ کیا چیز ہے" ابن ابی ذئب نے کہا "ہاں ننگی تلواریں دیکھتا ہوں، لیکن آج کی موت کل کی موت سے بہتر ہے"

تھوڑی دیر کے بعد ابن سمعان اور ابن ابی ذئب اٹھ کر چلے گئے، لیکن امام تشریف فرما رہے، منصور نے کہا "مجھے آپ کے کپڑوں سے حنوط کی بو آتی ہے، امام صاحب نے فرمایا اس بے وقت طلب سے میں اپنی زندگی سے مایوس ہو کر آیا تھا، منصور نے کہا "سبحان اللہ ابو عبداللہ! کیا میں خود اپنے ہاتھ سے اسلام کا ستون گراؤں گا!"[1]

محمد المہدی: اسی سفر حج میں حج سے پہلے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا، اور محمد المہدی اس کا جانشین ہوا، دو سال کے بعد ۱۶۰ھ میں مہدی مع شہزادگانِ خلافت موسیٰ و ہارون حج کے ارادہ سے عازمِ حجاز ہوا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا، شہر کے قریب پہنچا تو شرفا و علمائے شہر نے استقبال کیا، جن میں امام مالک بھی داخل تھے۔ مہدی نے امام کو دیکھا، تو ادھر توجہ کی، اور سلام کر کے سینہ سے لگالیا، اس سال حجاز میں سخت قحط تھا، موقع پا کر امام نے فرمایا۔

اہلِ مدینہ کے لئے درخواست: امیر المومنین! اس وقت آپ جس شہر میں جا رہے ہیں وہاں مہاجرین و انصار کی اولاد آباد ہے، وہ روضۂ نبوی ﷺ کے ہمسایہ ہیں۔ مہدی امام کا مقصود سمجھ گیا۔ اور ۲۵ لاکھ درم امام کے پاس بھیج دیئے کہ تقسیم کر دیجئے

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۲۷۶ مصر،

امام صاحب نے رقم اپنے معتمد تلامذہ کے حوالہ کی کہ حسب حاجت لوگوں میں تقسیم کر دیں۔[1]

تین ہزار دینار اپنے حاجب اعظم ربیع کے ہاتھ امام کی خدمت میں بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ بغداد میرے ساتھ چلیں، امام صاحب نے قاصد سے کہا تھیلیاں اب تک سربستہ اسی طرح پڑی ہیں، جی چاہے لے جاؤ لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون[2]

مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہِ خلافت میں آئیں، سواری واپس کر دی کہ میں مدینہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا، کہ انہی گلیوں میں حضرت سرورِ کائنات صلعم پھرتے تھے، پیادہ آئے، بیمار تھے اس لئے بعض مشاہیر علمائے مدینہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے، مہدی نے کہا سبحان اللہ! اگر میں یہ خدمت ان سے لینا چاہتا تو شاید ان میں سے قبول نہ کرتا مغیرہ نے کہا امیر المومنین! مالک جس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں وہ اس کے لئے شرف ہے[3]

مہدی نے کہا ایک ایسی کتاب تالیف فرمائیے کہ تمام مسلمانوں کو میں اس کے عمل پر مجبور کروں، امام مالک نے افریقہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس حصہ کی تکلیف سے تو میں نے تم کو بچالیا، شام میں ایک شخص (امام اوزاعی) موجود ہے اور اہل عراق تو اہل عراق ہیں[4]

قرات سے انکار: مہدی نے اسی سفر میں موطا کی سماعت حاصل کی، بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ مہدی ہی کے لئے امام نے موطا لکھی، گو یہ صحیح نہیں، مہدی نے موسیٰ و ہارون اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ امام سے موطا سنیں، شہزادوں نے امام کو بلا بھیجا، امام صاحب نے فرمایا کہ علم

---

[1] کتاب الامام ج ۲ ص ۲۶۰ و مناقب مالک للزواوی ص ۲۷ [2] تذکرۃ ذہبی ج ۱ ص ۱۸۹
[3] زواوی عن ابی مصعب صفحہ ۱۲۸ [4] زواوی عن ابراہیم بن حماوی الزہری صفحہ ۲۷

بیش قیمت شے ہے اس کے پاس خود شائقین آتے ہیں" مہدی کی اجازت سے دونوں شہزادے خود مجلسِ درس میں حاضر ہوئے، شہزادوں کے اتالیق نے کہا، پڑھ کر سنائیے، امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے علماء کا دستور یہ ہے کہ طلبا پڑھیں شیوخ سنیں، مہدی کو خبر دی گئی، اس نے کہا کہ ان علماء کی اقتدا کرو اور تم خود پڑھو، چنانچہ شہزادوں نے خود پڑھا اور امام نے سماعت کی[1]

موطا الہادی: مہدی نے ۱۶۹ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ موسیٰ ملقب بہ **ہادی** تخت نشین ہوا، موسیٰ کی خلافت کا زمانہ ایک برس ہے، زمانہ شہزادگی کے سوا پھر امام سے اس کو شرف اندوزی کا موقع نہ ملا۔

ہارون الرشید: ہادی کے بعد ۱۷۰ھ میں مسند آل عباس پر وہ فرمانروا جلوہ نما ہوا جس کی نسبت شاعر کہتا ہے،

فمن یطلب لقاءك او یرده	فبالحرمین او اقصی الثغور
اے ہارون! جو تیری ملاقات کا طالب ہو	تو اس کو حرمین میں تو ملیگا یا دشمنوں کی سرحد پر
ففی ارض العدو علی طمر	وفی ارض البریة فوق کور
دشمنوں کی سرزمین میں تو صبا رفتار گھوڑے پر	اور ارضِ حرم میں محمل پر

موطا بارگاہ خلافت میں: اس وقت امام مالک کی تصنیفات تمام ملک میں پھیل چکی تھیں، خلافت کے پہلے ہی سال حج و زیارت کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ آیا، لوگ پیادہ استقبال و تہنیت کے لئے نکلے، امام صاحب بھی محمل میں سوار ہو کر آئے، ہارون رشید نے امام کو دیکھ کر نہایت خوشی ظاہر کی، اور کہا کہ آپ کی تصنیفات پہنچیں، خاندان کے نوجوانوں کو

---

[1] تزئین الممالک عن فضائل مالک لابن فہر ص ۱۴۵

ان کے مطالعہ کی تاکید کی ہے، لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ ہم نے ان میں ابن عباسؓ اور علیؓ بن ابی طالب کی روائتیں نہیں پائیں۔ امام نے فرمایا کہ "اے امیر المومنین یہ دونوں بزرگوار ہمارے شہر میں نہ تھے"۔

ہارون وامین و مامون مجلس درس میں: ۱۷۴ھ میں رشید، امین اور مامون اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر حج کے لئے آیا، رشید نے امام کو موطا کی املا کے لئے خود سراپردۂ خلافت میں طلب کیا، امام صاحب نے بدستور انکار کیا اور خود موطا کے بغیر تشریف لائے، رشید نے شکایت کی، امام صاحب نے فرمایا۔ ہارون رشید! علم تیرے گھر سے نکلا ہے خواہ اس کو ذلیل کر خواہ عزت دے"، ہارون رشید متاثر ہوا، محمد الامین اور عبداللہ المامون دونوں شہزادوں کو لے کر مجلسِ درس میں حاضر ہوا، وہاں طلبہ کا عام ہجوم تھا، رشید نے کہا "اس بھیڑ کو الگ کر دیجئے" امام نے فرمایا "شخصی فائدہ کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا" ہارون رشید مسند پر بیٹھ گیا، امام نے فرمایا "امیر المومنین تواضع پسندیدہ ہے"۔ ہارون نیچے اتر گیا۔

دوسری منزل قرأت وسماعت کی تھی، ہارون نے کہا "آپ قرأت کیجئے امام نے فرمایا "خلاف عادت ہے"۔ یہ کہہ کر معن بن عیسیٰ کو اشارہ کیا۔ جو ایک مستعد طالب علم تھے، اور آگے چل کر بڑے بڑے محدثین کے استاد ہوئے انہوں نے قرأت شروع کی، ہارون نے مع شہزادوں کے سماعت کی۔

مجلسِ حدیث: اس سفر میں شام و عراق و حجاز کے کل علماء ساتھ تھے۔ قاضی ابو یوسف بھی اس مجمع میں شریک تھے ہارون رشید نے ان تمام علماء کی ایک علمی مجلس منعقد کی، امام صاحب مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے، موطا کا املا شروع ہوا، ہر مسئلہ کے اختتام پر فقہا

ومحدثین سکوت کی زبان سے صحت کا اعتراف کرتے جاتے تھے، فقہی معلومات کا ایک دریا تھا جو زبان امامت سے امنڈ امنڈ کر سواحلِ قلوب میں موجیں لے رہا تھا۔

جب مجلس ختم ہوگئی، اور امام صاحب واپس تشریف لے گئے تو ہارون رشید نے حاضرین مجلس کو خطاب کیا۔

"اے فقہائے عراق و حجاز! کیا تم کو ان مسائل میں کچھ کلام ہے جو مالک ابن انس نے اس وقت تم کو سنائے ہیں"؟ فقہا نے متفقاً کہا کہ نہیں، ہمیں ایک مسئلہ کے سوا کسی میں کلام نہیں" ہارون رشید نے کہا کہ عجب نہیں کہ امام مالک کے اس مسئلہ کا ماخذ قرآن ہو۔ بہر حال ہارون رشید نے امام صاحب کو بلا بھیجا امام صاحب تشریف لائے تو ہارون رشید نے کہا "اے عبداللہ موطا کے ایک مسئلہ سے ان کو اختلاف ہے، آپ اپنے اس مسئلہ کی صحت کی دلیل ان کو بتائیے"۔ ہارون رشید کو امام صاحب کے ساتھ جو خلوص و اعتقاد ہے اس کو اس سے اندازہ کرو کہ تمام فقہاء کے مقابلہ میں کہنا ہے، "اور میں بھی اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ ہوں"۔ امام صاحب نے قرآن و حدیث سے ان کے دلائل پیش کئے اور سب نے تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد امام صاحب نے ہارون کی طرف خطاب کیا "اے امیر المومنین جس طرح آپ نے یہاں اس وقت مجھے یاد کیا آپ کے والد نے بھی اسی طرح اور یہیں مجھے یاد کیا تھا اور میں نے ان کو حدیثیں سنائی تھیں"، بعدازاں امام صاحب نے مدینہ کے فقرأ اور ستم رسیدوں کی طرف توجہ دلائی، ہارون رشید نے زرِ کثیر سے فقرائے مدینہ کی امداد کی

مسجد نبوی میں ایک منبر تھا۔ جس پر بیٹھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ دیا کرتے تھے، اس منبر پر صرف تین زینے تھے امیر معاویہ نے اس میں چند زینوں کا اور اضافہ کر دیا تھا۔ ہارون رشید نے چاہا کہ زائد زینے نکال کر پھر منبر نبوی اپنی اصلی حالت پر کر دیا جائے، امام صاحب سے مشورہ کیا امام صاحب نے فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے، کہ اس منبر کی لکڑی کہنہ اور کمزور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تختوں کے ادھر ادھر کرنے میں ٹوٹ جائے۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ وفاتِ نبوی کے وقت مدینہ یادگار ہائے رسالت سے معمور تھا، بستر، پیالہ، عصا، موئے مبارک نعلین بہت سی چیزیں مدینہ میں تھیں۔ لیکن آج مدینہ نے ایک ایک کر کے سب کو کھو دیا، تاراج شدہ سرمایہ سے صرف ایک یہی منبر رہ گیا ہے، جو بھاری ہونے کے سبب سے مسجد نبوی سے کبھی نکلتا نہیں، اگر اس میں کہیں تین زینے کر دیئے جائیں گے تو مجھ کو خوف ہے کہ مسجد نبوی کے بدلے بارگاہ خلافت نہ اس سے مزین ہو، ہارون رشید بھی اس نکتہ کو سمجھ گیا اور اپنے خیال سے باز آیا[1]

ابو نعیم نے حلیہ میں خود امام مالک سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ موطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کیا جائے، یہ وہ موقع تھا کہ عزت طلب اشخاص کے لئے اس سے زیادہ طلائی موقع ہاتھ نہیں آسکتا، لیکن امام نے جواب دیا "ایسا نہ کرو خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں اور وہ ممالک میں پھیل چکے ہیں اور ان میں ہر شخص راہ ثواب پر ہے"۔

ہارون کے نام خط: امام صاحب نے ہارون رشید کی خلافت میں وفات پائی، امین و مامون، شہزادگی کے عہد میں امام صاحب سے مستفید ہو چکے تھے، ہارون رشید کے نام

---

[1] کتاب الامامتہ والسیاستہ ج ۲ ص ۲۹۷

امام کا ایک رسالہ بھی ہے۔ جس میں امام نے ہارون کو نصائح کئے ہیں اور آداب و سنن کی تعلیم دی ہے، رسالہ مصر میں ۱۳۲۲ء میں چھپ گیا ہے اور لاہور میں اُس کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ہارون رشید کی اس ملاقات، شہزادوں کی حاضری، امام کا ہارون رشید سے آزادانہ مکالمہ اور شہزادوں کو درس میں مخصوص و غیر مساویانہ درجہ دینے سے انکار، ان مؤثر واقعات نے میرے قلم سے ایک نظم کی صورت اختیار کر لی ہے۔

نازشِ دودۂ عباسیہ، ہارون رشید　　اک دفعہ شہرِ مدینہ کا کیا اس نے سفر
ساتھ شہزادۂ مامون و امین دونوں تھے　　ایک تھا لختِ جگر، دوسرا تھا نورِ بصر
اس زمانہ میں مدینہ کا تھا گوشہ گوشہ　　چشمۂ نورِ ہدیٰ منبعِ قرآن واثرِ حدیث
مجلسِ خاص مگر مسجدِ نبویؐ میں تھی　　مسندِ مالک ابن انس پاک گہر
یہ وہ تھی بزم جہاں قالَ رسولؐ کے سوا　　نہ کوئی اور صدا تھی، نہ کوئی اور خبر
نغمہ سنجانِ ازل دور سے یاں مہر بلب　　قدسیانِ حرمِ پاک یہاں گوش بدر
ہر طرف زمزمۂ حدثنا اخبرنا　　ہر طرف شور فگن صلِّ علیٰ خیر البشر
ایک نقطہ پہ یہاں جمع تھا سارا عالم　　ہند و چین، شام و عرب مغرب و مصر و بربر
آرزو تھی یہ خلیفہ کو مدینہ آ کر!　　جائیں محروم نہ اس درس سے مرے لختِ جگر
پہنچا یہ حکم خلافت سے کہ اے ابن انس　　مجمعِ عام میں جا سکتے نہیں میرے پسر
اس لئے آج یہ بہتر ہے کہ املائے حدیث　　آپ دیں خاص انہیں ایوانِ شہی میں آکر
سُن کے فرمانِ خلافت کو یہ ارشاد ہوا　　اے خلیفہ! تری تعمیل ضروری ہے مگر
ہے یہ علمِ نبوی تیرے ہی گھر کی دولت　　خواہ حرمت اسے دے خواہ اہانت لے کر
سُن کے ہارون نے دربارِ امامت کا جواب　　بھیجا پیغام کہ خیر آپ نہ آئیں گے اگر
خود یہ شہزادے وہاں درس میں حاضر ہونگے　　لیکن اوروں کا نہ ہو بزم میں اس وقت گزر

مالک بن انس نے اسے کہلا بھیجا میرے کاشانہ میں ممکن نہیں تمیز بشر
درگہ خاص نہیں، درس گہ عام یہ ہے ہو مساواتِ بشر معنی اسلام یہ ہے

وفات

امام صاحب کی عمر شریف اب ۸۱ برس کو پہنچ چکی تھی، نہایت ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے، مسجد نبوی میں آنا، نماز جماعت میں شریک ہونا، اور اِدھر اُدھر غم و شادی کی تقریبوں میں آنا جانا تو پہلے سے ترک ہو گیا تھا، لوگ اعتراض کرتے تھے تو فرماتے کہ ہر شخص اپنا ہر عذر نہیں بیان کر سکتا، معن بن عیسیٰ المتوفی ۱۹۸ھ جو امام کے عزیز ترین شاگرد تھے اور جو صحاح کے رواۃ میں داخل ہیں، وہ اس وقت امام کے خادم تھے، امام صاحب انہی کا سہارا پکڑ کر چلتے تھے، لیکن اس ضعف و ناتوانی کے عالم میں درس و افتا کی خدمت جاری تھی یحییٰ بن یحییٰ اندلسی مصمودی امام اندلس جب دوسری بار مصر سے لوٹ کر مدونہ کی سند لینے کے لئے آئے تھے تو امام صاحب بستر مرض الموت پر تھے۔

اتوار کے روز بیمار پڑے، اور تقریباً تین ہفتہ تک بیمار رہے، مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی، لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وقت آخر ہے، مدینہ کے تمام علماء و امرا آخری دیدار کے لئے جمع ہو گئے، یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ مجھے تو اپنی محرومی کا رونا ہی تھا، وہ لوگ بھی جو مدتوں امام کی ملازمت کا شرف حاصل کر چکے تھے، وہ بھی روتے تھے، تلامذہ کے علاوہ حدیث و فقہ کے ۱۶۰ علماء مؤدب باچشم گریاں آس پاس بیٹھے تھے۔

امام کی حرکت آہستہ آہستہ سرد ہو رہی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری

سے تھے قعنبی جو امام کے اخص تلامذہ میں تھے، وہ اسی وقت حاضر ہوئے، اور گریہ کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ "قعنبی! میں نہ روؤں تو کون روئے، اے کاش! مجھ کو میرے ہر قیاسی فتویٰ کے بدلہ ایک کوڑا مارا جاتا، اور میں فتویٰ نہ دیتا؛" گریہ جاری تھا، لب متحرک تھے کہ مرغ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا، اب بھی اسی طرح طلباء و علماء کا ہجوم تھا، لیکن صدر نشین بزم اب حیات جاوید کے بستر پر آرام کر رہا تھا،،

امام صاحب بروایت صحیحہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو انتقال فرمایا، ۸۶ برس کی عمر شریف پائی، ۱۱۷ھ میں مسندِ درس پر قدم رکھا تھا، ۶۲ برس تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

جنازہ میں ایک خلقت کا ہجوم تھا۔ والیِ مدینہ عبداللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ پا شریک تھا اور نعش اٹھانے والوں میں خود وہ بھی شامل تھا، جنۃ البقیع مدینہ میں ایک مشہور مقام ہے، یہاں صرف وہ لوگ بستے ہیں جو حیات اولیٰ کے منازل طے کر چکے ہیں، اسلام کے ارکانِ عظام ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، امام حسن رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ، حضرت حفصہ رضؓ اور دیگر اعلام اسلام اسی خاک میں مدفون ہیں۔ امامِ مدینہ کا جسد مبارک بھی اسی خاک کو سپرد ہوا[۱]۔

عمر بن سعد انصاری رضؓ نے اس وقت یہ شعر کسی کو خواب میں پڑھتے سنا۔

لقد اصبح الاسلام زعزع رکنہ	غداۃ ثوی الہادی لدی ملحد القبر
اسلام کے ستون ہل گئے	جس صبح کو کہ رہنما قبر میں آسودہ ہوا
امام الہدی ما زال للعلم مائنا	علیہ سلام اللہ فی آخر الدھر
وہ ہدایت کا پیشوا اور علم کا ہمیشہ محافظ رہا	اس پر قیامت تک خدا کا سلام ہو

[۱] ان بیانات کے لئے دیکھو ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس، تزئین الممالک ص ۴۱، مصر، بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی

دور دراز کے شہروں اور ملکوں کے علماء کو جب امام کی وفات کی خبر پہنچی تو ہر جگہ ان کا ماتم کیا گیا، کوفہ میں سفیان بن عینیہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر سکوت طاری ہو گیا، اور جب بولے تو یہ بولے کہ مانزل علی وجہ الارض مثلہ روئے زمین پر مالک نے اپنی مثال نہیں چھوڑی، حماد نے کہا۔

رحمہ اللہ کان من الدین بمکان — خدا ان پر رحم کرے مذہب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔

امام کا غم ۳۲۲ سال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا، ابو محمد جعفر قاری بغدادی المتوفی ۵۰۰ھ نے امام کا مرثیہ کہا[1]

سقی جدثا ضم البقیع بمالک	من المزن مرعاد السحائب مبراق
بجلی اور کڑک کے ساتھ برسنے والے بادل	اس قبر کو سیراب کر جو مالک کو اپنے آغوش میں لئے ہے
امام موطاہ الذی طبقت بہ	اقالیم فی الدنیا فساح وافاق
وہ امام جس کی وہ موطا ہے جس پر دنیا کے	وسیع ملکوں اور گوشوں نے اتفاق عام کیا ہے
اقام بہ شرع النبی محمد	لہ حذر من ان یضام واشفاق
وہ جس نے اپنی موطا کے ذریعہ پیغمبر کی شریعت کو	درست کیا اور جس کو اس کا ڈر تھا کہ اس شریعت پر کہیں ظلم نہ ہو
لہ سند عال صحیح وھیبۃ	فللکل منہ حین یرویہ اطراق
اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور اس میں ہیبت ہے	جب وہ اس کی روایت کرتے ہیں تو سب بغور سنتے ہیں
واصحاب صدق کلھم علم نسل	بہ الفھم ان انت سالت حذاق
اس کے بہت سے شاگرد رشید ہیں جنہیں ہر ایک مشہور ہے	؟
ولو لم یکن الا ابن ادریس وحدہ	کفاہ الا ان السعادۃ ارزاق
اگر امام شافعی کے سوا کوئی اور ان کا شاگرد نہ ہوتا	تو ان کیلئے یہی فخر کافی تھا ہاں خوش بختی بھی روزی ہے

امام کی تاریخ پیدائش و وفات پر یہ قطعہ مشتمل ہے

فخر الائمۃ مالک	نعم الامام لسالک
مالک اماموں کے فخر ہیں	پیرو کے لئے بہترین پیشوا ہیں
مولدہ "نجم ھدی"	وفات فاز مالک
ان کی تاریخ پیدائش ہدایت کا ستارہ ہے	اور ان کی تاریخ وفات یہ ہے کہ مالک کامیاب ہوئے
۹۳ھ	۱۷۹ھ

---

[1] ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس،

اخلاق وعادات وحالات ذاتی

مقدس بزرگوں کی اخلاقی صورت پر مبالغہ آمیز روایات کے اتنے پردے پڑ جاتے ہیں کہ حقیقتِ حال کا چہرہ مخفی ہو جاتا ہے، حالانکہ بزرگانِ سلف کی تاریخ زندگی میں یہی ایک باب ہے جو نسلِ مستقبل کے لئے آثارِ ہدایت ہے لیکن بحمداللہ امام کی زندگی مبالغہ کی آمیزش سے پاک ہے۔

طاعتِ الٰہی

امام کا شمار عبادِ زمانہ میں تھا[1]، درس وافتاء سے جو فرصت ملتی وہ زیادہ تر عبادت اور تلاوت میں صرف ہوتی، امام کی خواہرِ محترمہ سے کسی نے پوچھا کہ امام مالک گھر میں کیا کرتے ہیں تو جواب دیا کہ ان کے دو کام ہیں "المصحف والتلاوۃ[2]" یہ امام صاحب کی صاحبزادی سے منقول ہے کہ امام جمعہ کی شب عبادت و طاعت میں مشغول رہتے تھے، امام بخاری کے بھانجے ابن ابی یونس سے روایت ہے کہ امام مہینہ کی پہلی تاریخ کو شب زندہ دار رہتے تھے[3]۔

حُبِّ رسول

امام، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب کرتے تھے جب نامِ مبارک زبان پر آتا، چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا، لوگ پوچھتے تو فرماتے کہ ہم نے جن ارواحِ طیبات کی زیارت کی ہے ان کی حالت مجھ سے بھی بڑھ کر تھی[4]۔

مسجدِ نبوی جس کے ایک حجرہ میں روضۂ انور ہے، اس میں شور وغل ناپسند فرماتے کہ یہ آستانۂ نبوت سے گستاخی ہے، کلامِ نبوی اس وقت تک زبان پر نہیں آتا، جب تک وضو یا غسل فرماکر باادب نہ بیٹھ لیتے، امام کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم ذکرِ عباد [2] مناقبِ مالک للزوادی عن ابی ذہب ص ۳۳
[3] تزئین الممالک عن الخطیب ص ۱۸ [4] مناقب مالک للزوادی عن مصعب بن عبداللہ ص ۳۳

اور خچر تھے، مگر کبھی مدینہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین قدمِ نبوی سے مشرف ہوئی ہے اس کو میں جانوروں کی سموں سے روندوں[1]۔ ذاتِ نبوی کی محبت اور حدیثِ نبوی کے شغل وانہماک کے سبب سے کوئی ایسی شب نہ گذرتی جس میں عالمِ رؤیا میں زیارتِ نبوی کا شرف حاصل نہ ہوتا[2]۔

حُبِّ مدینہ امام کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، بجز سفرِ حج کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، منصور نے بغداد کی سکونت کے لئے درخواست کی، پذیرا نہ ہوئی، مہدی نے ۳ ہزار دینار بھیجے، اور پھر کہلا بھیجا کہ بغداد کا عزم کیجئے، فرمایا "اشرفیاں علیٰ حالہا رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ، مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا[3]۔ بقولِ نبوی المدینۃ خیر لھم لوکانوا یعلمون انتہائے محبت یہ ہے کہ جمہور اسلام کے خلاف، امام مکہ معظمہ پر مدینہ منورہ کو برتری دیتے ہیں[4]۔

فیّاضی آج علماء کا بخل وافلاس دیکھ کر کون نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علمائے سلف کی فیاضیاں شاہانہ فیاضیوں سے کم نہ تھیں۔ ربیعہ نے اپنی تعلیم پر ۳۲ دینار صرف کئے، امام ابوحنیفہؒ طلبہ کو درہم و دینار کے کیسے حوالہ کر دیتے تھے۔ امام لیث مصریؒ اپنی دولت کا کثیر حصہ ان مصارف پر صرف کرتے تھے۔ امام مالکؒ کی فیاضی بھی کم نہ تھی، ایک بار امام شافعیؒ کو لے کر اصطبل کا ملاحظہ کر رہے تھے، امام شافعیؒ نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی، امام صاحب نے تمام اصطبل ان کی نذر کر دیا[5]۔ ہر سال امام شافعیؒ کو گیارہ ہزار دینار مرحمت فرماتے تھے۔

---

[1] ابن خلکان ص ۴۳۹ ترجمۂ مالک ج ۱، مصر [2] تزئین عن ابی نعیم والخطیب ص ۱۲
[3] تذکرۂ ذہبی ج اول ص ۱۹۰، حیدرآباد [4] اعلام علماء الاعلام لعبدالکریم بن محب اللہ مکی، ص ۳ قلمی کتب خانہ بانکی پور [5] توالی التاسیس معالی ابن ادریس لابن حجر۔

مہمان نوازی ایک عرب کا خاصہ اور ایک مؤمن کا فرض ہے لیکن امام صاحب کا میزبانہ اخلاق اس سے بھی زیادہ تھا۔ امام شافعی جو طلبِ علم کے لئے امام کے گھر اترتے تھے، امام ان کے لئے ہاتھ سے خوان اٹھا کر لاتے تھے، صبح کی نماز کے لئے اپنے ہاتھ سے پانی لاکر رکھتے تھے۔ وقتِ رخصت باایںہمہ ضبط وخودداری، خود بازار تک جاکر سواری کرایہ کر دی، اور ایک کیسۂ زر زادِ راہ کے لئے عنایت کیا[۱]۔

استقلالِ طبع ایک فضل الٰہی ہے، کوفہ کی جامع مسجد میں ایک بار خارجی شمشیر بکف گھس آئے، تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن امام ابوحنیفہؒ نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ موزہ میں بچھو تھا، امام مالکؒ نے بیخبری میں پہن لیا، مجلسِ ذکر میں آکر بیٹھ گئے۔ بچھو نے نیش مارا، اور پھر علی التواتر سترّ بار نیش مارا لیکن آدابِ مجلس کے خیال سے امام نے پہلو تک نہ بدلا، چہرہ کا رنگ بار بار متغیر ہو رہا تھا، اختتامِ درس کے بعد عبداللہ بن مبارک نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ موزہ میں بچھو ہے[۲]۔

حلم وعفو خودداری اور جلالتِ شان کے ساتھ حلم وعفو جو ایک گراں قدر جوہر ہے، اکثر جمع نہیں ہوتا لیکن امام میں یہ دونوں صفتیں مجتمع تھیں، ایک طرف تو منصور و رشید جیسے قہار سلاطین کو آپ ڈانٹ دیتے ہیں، دوسری طرف آپکے شانۂ مبارک پر ذلیل ہاتھوں سے کوڑا مارا جاتا ہے تو آپ انگیز کرتے ہیں، اور منصور جب مجرم کی سزا کا ذکر کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کیا[۳]۔

امام کے شاگردِ خاص معن بن عیسٰی بیان کرتے ہیں کہ ابن سرعون نامی ایک شاعر امام صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے ایک دو شعر میں آپ کا ذکر کیا ہے، میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، امام صاحب سمجھے کہ میری ہجو میں کچھ شعر کہے ہوں گے، فرمایا، کچھ

[۱] مرآت الاوراق ابن حجر حموی ج ۱ ص ۲۰ [۲] ابن خلکان ترجمۂ مالک وعام کتب
[۳] کتاب الامامۃ ابن قتیبہ ج ۲ ص ۲۸۶ مصر

مضائقہ نہیں، اس نے کہا میں وہ شعر سُنانا بھی چاہتا ہوں، امام صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا، لیکن زبان حلم سے فرمایا کہ سنا بھی لو، شعر پڑھے تو اس کا مفہوم یہ تھا کہ:
"مدینہ کے مفتی مالک سے پوچھ لو کہ کیا محبت بھی کوئی گناہ ہے؟" امام صاحب نے بہ متانت فرمایا کہ "میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا"۔[1]

حق گوئی و آزادی

علمائے سلف کی مشترک صفت یہ تھی کہ وہ نطقِ حق میں بیباک ہوتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا اہم ترین فریضہ تھا۔ گذشتہ صفحات کے پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ امام صاحب برابر خلفاء کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے بعض لوگوں کو اس پر اعتراض تھا، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر نہ جاؤں تو نطقِ حق کا موقع کہاں ملے؟ تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک بار منصور نے چند فقہاء کے ساتھ امام مالک کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ تم لوگ مجھ کو کیا سمجھتے ہو، سب سے دلیرانہ تقریر ابن ابی ذئب نے کی، امام نے فرمایا کہ مجھ کو اس کے جواب سے معاف کرو۔ یہ سکوت و تعلل بھی نطقِ بیّن سے کم نہیں۔

امام کو کوڑے مارے گئے، لیکن کیوں؟ اس لئے کہ حق کے اظہار میں انہوں نے حکومت کی پروا نہ کی، ایک بار منصور نے مسجدِ نبوی میں زور شور سے مناظرہ شروع کیا، فرمایا کہ ادب ملحوظ رہے لَا تَرْفَعُوٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ عباسیوں کے مقابلہ میں محمد نفس ذکیہ نے جب علم بلند کیا تو آپ نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ خلافت محمد نفس ذکیہ کا حق ہے، عباسیوں نے زبردستی بیعت لی ہے۔

خودداری

علم کی شان یہ ہے کہ اس کی شانِ جلالت ملحوظ رکھی جائے کہ اہل علم لوگوں میں معزز ہوں اور لوگوں کو اکتسابِ علم کا ذوق پیدا ہو، امام مالکؒ اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اس سے پہلے کئی بار گزر چکا ہے کہ امام صاحب

[1] طبقات سبکی ج ۲ ص ۵۲ مصر [2] مناقب مالک للزوادی ص ۲۱، مصر

مجلسِ درس میں کس وقار و متانت اور خود داری کے ساتھ بیٹھتے تھے، لوگ اعتراض کرتے تو فرماتے کہ اُرید اَن اُجلّ العلم یعنی "میں چاہتا ہوں کہ علم کی شان بڑھاؤں"۔ بڑے بڑے امراء اور حکام آستانۂ امامت پہ حاضر ہوتے ہوئے کانپتے تھے۔ پڑھا ہوگا کہ رشید نے اپنے خیمہ میں املائے حدیث کے لئے بلایا تو فرمایا کہ: "لوگ علم کے پاس آتے ہیں، لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا، رشید خود آیا۔ تو مسندِ درس پر بیٹھنا چاہا۔ فرمایا تواضع محبوب ہے۔ رشید نے کہا، آپ پڑھئے امام نے فرمایا اپنی یہ عادت نہیں[1]۔

منصور کے دربار کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی دربار میں آتا تو خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، امام نے کبھی یہ ذلت گوارا نہ کی۔

انصاف پسندی

لیکن اس حصول، اس جلال، اس اظہارِ حق سے زیادہ گراں قیمت اور مشکل الحصول شے انصاف پسندی ہے، اور وہ بھی اپنے نفس کے مقابلہ میں، جس مسئلہ پر عبور نہ ہوتا بہ متانت فرما دیتے کہ "مجھے معلوم نہیں"۔ شاید اس مختصر فقرہ کی قدر عام لوگوں کی زبان سے نہ سمجھی جائے لیکن فرض کرو کہ ایک شخص حشمت اور کمالِ شہرت و ادعائے علم کے ساتھ مسندِ درس و افتاء پر متمکن ہے، طلبہ و اہل علم کا ہر طرف حلقہ ہے، دور و دراز سے لوگ سے لوگ آ آ کر مسائل و فتاویٰ پوچھتے ہیں اس وقت اربابِ اخلاقِ طاہرہ کے سوا کس کی طاقت ہے کہ "نہیں معلوم" کہے۔ امام مالک کے ایک شاگرد کا قول تم اس سے پہلے پڑھ چکے ہو کہ اگر میں امام کے "نہیں معلوم" کو لکھا کرتا تو تختیاں بھر جاتیں۔

ابن القاسم امام کے ایک شاگرد نے کہا کہ مصر کے علماء بیع و شراء کے مسائل میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، امام صاحب نے پوچھا انہوں نے کس سے ان کی تعلیم پائی

---

[1] مناقب مالک للزوادی، ص ۲۹

ابن القاسم نے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خود ان میں دخل نہیں[1]۔

اہل علم کی عزت اس سے پہلے گزرا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید مجلس درس میں آیا تو مسند سے نیچے اتر کر اس کو بیٹھنا پڑا، لیکن ایک بار امام ابو حنیفہ تشریف لائے تو آپ نے اس قدر تعظیم کی کہ ان کے لئے اپنی چادر فرش پر بچھائی، اور وہ اٹھ گئے تو طلبہ سے کہا کہ یہ عراق کے ابو حنیفہ ہیں، جو اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اس کے بعد کوفہ کے محدث سفیانؒ آئے تو ان کی بھی تعظیم کی ہیکن اس سے کم، ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ لوگوں کی علیٰ قدر مراتب عزت کرنی چاہیے[2]۔

عبدالرحمٰن بن قاسم آپ کے شاگرد تھے لیکن جب ان کو خط لکھتے تھے تو "فقیہ مصر" لکھا کرتے تھے، ایک بار قعنبی محدث آپ کے شاگرد مدینہ آرہے تھے امام صاحب اپنے تلامذہ کو لے کر خود بہ نفس نفیس اُن کے استقبال کو شہر سے باہر نکل آئے[2]۔

حلیہ امام صاحب کا حلیہ یہ تھا: رنگ سرخ و سفید، قد بالا، بدن بھاری پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی، ناک اونچی، ڈاڑھی بڑی اور گھنی سر میں قدرۃً بال نہ تھے، مونچھوں کو بہت چھوٹی کرانا ناپسند کرتے تھے، خضاب کا استعمال نہیں کیا۔

پوشاک مزاج میں صفائی اور نزاہت غایت درجہ تھی، ہمیشہ نفیس اور بیش قیمت پوشاک زیب بدن فرماتے تھے، بعض لوگ اس پر ٹوکتے تو فرماتے کہ میں اس شہر (مدینہ) کے جس عالم سے ملا اس کو خوش پوشاک پایا۔ امام صاحب کو اپنے کپڑوں کا خاص اہتمام تھا۔ عدن کے کپڑے اس زمانہ میں مشہور اور بیش قیمت ہوتے تھے۔ وہاں سے اپنے لئے کپڑے منگواتے تھے[3] کبھی کبھی مرو کے

---

[1] مختصر جامع بیان العلم لابن عبدالبر، ص مصر [2] تذکرہ ذہبی ج ۱ ص ۳۵۱
[3] ابن ندیم، مطبوعہ یورپ ص ۸۹

بنے ہوئے کپڑے بھی استعمال[1] کرتے تھے۔

خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے۔ عود کی انگیٹھیاں جلتی رہتی تھیں، کپڑے خوشبو سے بسے رہتے تھے، جس گلی سے ایک بار نکل جاتے، دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی، اور اکثر فرماتے کہ خدا نے جس کو نعمت دی ہو اس کے آثار اس پر نہ ظاہر ہوں میں یہ پسند نہیں کرتا۔ کبھی کبھی طیلسان بھی استعمال کرتے جو اس زمانہ میں علماء کی نشانی تھی۔ عمامہ جب زیب سر فرماتے تو شملہ گلے میں لپیٹ کر داہنے یا بائیں شانہ پر ڈال لیتے، ہاتھ میں ایک چاندی کی انگوٹھی تھی جس کے سیاہ پتھر کے نگینہ پر حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل نقش تھا۔

امام کو جو خصوصیات شرف حاصل تھیں، ان میں یہ کیا کم ہے کہ مدینہ مطہرہ کی خاک پاک جسم مبارک کا عنصر تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ مزید شرف یہ ہے کہ مسکن وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مکان تھا اور مجلس نشستگاہ وہ تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کا دولت خانہ تھا، یہیں اکثر املائے حدیث کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس بناء پر امام مالک نہ صرف علم و معارفِ فاروقی کے وارث تھے، بلکہ ان کی جائدادِ ظاہری کا بھی خدا نے انہیں وارث بنایا۔

---

[1] مرآۃ الجنان، یافعی ذکر مالک

تصنیفات

اس عہدِ میمون میں تصنیف وتالیف کی ابتدا ہو چکی تھی، امام کے دست مبارک سے جو کتابیں ترتیب پائی ہیں یا ان کی طرف منسوب ہیں وہ حسب ذیل ہیں موطا[1]، رسالہ[2] مالک الی الرشید، احکام[3] القرآن، المدونۃ[4] الکبریٰ، رسالہ[5] مالک الی ابن المطرف، رسالہ[6] مالک الی ابن وہب، کتاب[7] الاقضیۃ، کتاب[8] المناسک، تفسیر[9] غریب القرآن، کتاب[10] المجالسات عن مالک، تفسیر[11] القرآن[1]

۱۔ موطا کی نسبت مفصل بحث آگے آئے گی۔

موطا میں اور ان تمام تصنیفات میں امتیاز اول یہ ہے کہ موطا کی روایت امام کے تمام تلامذہ کی ہے اور بقیہ رسائل وکتب صرف بعض تلامذہ کی روایت سے ثابت ہیں۔

۲۔ رسالۃ مالک الی الرشید: یہ خلیفہ ہارون رشید کے نام خط کے طور پر ۲۲ صفحات کا ایک رسالہ ہے۔ جس میں امام نے خلیفہ کو ہر قسم کے دینی و دنیاوی واخلاقی نصائح کئے ہیں۔

امام سے اس رسالہ کی روایت ابن حبیب نے کی ہے، رسالہ کا طرز بیان نہایت قدیم ہے اور موطا کے طرز روایت سے نہایت مشابہ ہے۔ بعض علماء نے اس بنا پر اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنے سے انکار کیا کہ اس میں بعض ضعیف ومنکر حدیثیں ہیں، لیکن اصل یہ کہ اخلاقیات میں محدثین اس قدر احتراز نہیں کرتے تھے۔

---

[1] ان کتابوں کے نام مختلف مصنفین نے لکھے ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ابن ندیم نے الفہرست میں امام کے انتساب سے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے[۱] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے اوائل میں یہ رسالہ موجود تھا، یہ رسالہ چھپ گیا ہے، اور لاہور میں کسی نے اس کا ترجمہ بھی چھاپا ہے۔

۳۔ **احکام القرآن** : یہ خود امام کی تصنیف نہیں ہے بلکہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور ماہر علوم قرآن علامہ ابو محمد مکی بن ابی طالب الاندلسی المتوفی ۴۳۷ھ کی تالیف ہے۔ علامہ موصوف نے امام مالک سے جو احکام قرآن یعنی آیاتِ احکامیہ کی تفسیریں مروی تھیں ان کو یکجا کر دیا ہے۔ اسی لئے اس کا نام "کتاب المأثور عن مالک فی احکام القرآن" ہے۔

۴۔ **المدونۃ الکبریٰ** : فقہ مالکی کی ایک ضخیم کتاب ہے، بعض لوگ اس کو خود امام کی تصنیف سمجھتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن قاسم المتوفی ۱۹۱ھ امام کے ایک شاگرد کی تصنیف ہے۔ لیکن اس لحاظ سے امام کی تصنیف کہنا درست ہے کہ یہ کتاب درحقیقت امام کے "ملفوظاتِ فقہیہ" کا مجموعہ ہے۔ ابن قاسم نے خود امام کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آکر امام کے مجتہدات و فقہیات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا، اور شاید اسی زمانہ میں ختم بھی ہو گئی تھی، کیونکہ یحییٰ مصمودی دوسری بار مصر سے مدونہ ابن قاسم کو خود امام سے سننے کے لئے آئے تھے، لیکن افسوس کہ اس وقت امام بسترِ مرض پر تھے[۲]۔ مصر میں مدونہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے

۵۔ **رسالۃ مالک الی ابن مطرف** : غسان بن محمد بن مطرف کے نام "فتویٰ" کی بحث پر ایک رسالہ ہے۔ خالد بن نزار اور محمد بن مطرف تلامذۂ امام نے اس کی روایت کی ہے۔

---

[۱] ابن خلکان ذکر مکی بن ابی طالب ج ۲، ص ۱۲۰، مصر [۲] ابن خلکان ترجمہ عبدالرحمٰن بن قاسم و یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر المصمودی۔

۶- رسالۃ مالک الی ابن وھب : امام کے شاگرد رشید ابن وہب کے نام سے مسئلۂ قضا و قدر پر ایک مشہور رسالہ ہے۔ قاضی عیاض نے اس رسالہ کی تعریف کی اور لکھا ہے وھو من خیار الکتب فی ھٰذا الباب الدال علی سعۃ علمہ بھٰذا الشان۔

۷- کتاب الاقضیۃ : بعض قاضیوں کے لئے امام نے یہ رسالہ لکھا، غالباً اس میں عہدۂ قضاء کے متعلق اصول و ہدایات ہوں گے۔ امام کے ایک شاگرد عبداللہ بن جلیل نے اس کی روایت کی ہے۔

۸- کتاب المناسک : ابوجعفر زہری امام کے ایک دوست کا بیان ہے کہ امام مالک کی سب سے بڑی تصنیف کتاب المناسک تھی جس میں حج کے احکام و مسائل تھے۔

۹- تفسیر غریب القرآن : اس کتاب کی روایت خالد بن عبدالرحمٰن مخزومی نے امام سے کی ہے۔

۱۰- کتاب المجالسات عن مالک : ابن وہب کے تلمیذِ رشید نے امام کے مجالسِ صحبت میں حدیث و آثارِ اخلاق کے جو متفرق فوائد و نکات سنے، اس رسالہ میں ان کو جمع کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے یہ رسالہ دیکھا تھا۔

۱۱- تفسیر القرآن : قرآن مجید کی تفسیر بروایت احادیثِ مسندہ ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کو دیکھا تھا اور اس کی تعریف کی ہے، لیکن یہ مشکوک ہے کہ آیا یہ خود امام کی تالیف ہے، یا کسی شاگرد نے امام سے اس کی تعلیق کی ہے۔

۱۲- کتاب المسائل : ان رسائل و کتب کے علاوہ امام کی اور بھی تصنیفات تھیں، محدث خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابوالعباس سفاح کے سامنے بہت سے منتشر اوراق پڑے تھے جس کی نسبت اس نے کہا کہ یہ امام کے ستر ہزار مسائل کا مجموعہ ہے۔

موطا

امام کی اصلی تصنیف "موطا" ہے جو قرآن پاک کے بعد کتب خانۂ اسلام کی دوسری کتاب ہے۔ اول کلامِ خدا ہے اور ثانی کلام رسول۔

تدوینِ احادیث : ہجرت کی پہلی صدی تک احادیثِ نبوی کے گنجینے مقدس سینوں میں مدفون رہے اور متفرق طور سے علیحدہ علیحدہ ہر شیخ کے پاس تحریری یادداشت کا مجموعہ تھا۔ قرنِ اوّل کے خاتمہ پر جب صحابہ کے بعد پہلی نسل (تابعین) پیدا ہو رہی تھی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ المتوفی ۱۰۱ھ سریر آرائے خلافت ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جس شان کے خلیفہ تھے اسی شان کے محدّث بھی تھے چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے حفاظ میں آپ کو جگہ دی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یہ علمی جلالت کیا کم ہے کہ امام مالکؒ موطا میں ان کے فتاویٰ سے استدلال کرتے ہیں۔

احادیث کی تدوین بصورتِ کتاب کی ابتدا اسی خلیفۂ اعظم کے اشارہ سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے مُدوّنِ حدیث ابوبکر بن حزم المتوفی ۱۲۰ھ ہیں

ابوبکر بن حزم کے بعد محمد بن شہاب الزہری جو تمام محدثین کے امام ہیں حدیث کے دوسرے مُدوّن ہیں، ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ تیسرے درجہ پر ہیں۔ پہلا نسخہ جو ابوبکر کے ہاتھ سے تیار ہوا تھا، عموماً صحابہؓ کے فتووں پر مشتمل تھا۔ امام زہریؒ کا نسخۂ حدیث ابواب و فصول پر منقسم نہ تھا، ربیع اور سعد کے نسخوں کا ہر باب علیحدہ تھا۔

۱۳۲ھ ایک نئے دور کی بنیاد ہے۔ خلافتِ امویہ مٹ کر خلافتِ عباسیہ قائم ہوتی ہے۔ اسی کے پس و پیش عہد میں سینکڑوں مجموعہائے احادیث مدوّن ہوئے اور موطا کی تالیف کا بھی یہی زمانہ ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد اکثر صحابہ تعلیم و ارشاد و جہاد و غزا کی نیت سے بلادِ مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔ حضرت جابرؓ مکہ میں، حضرت ابو درداؓ اور ابو ذرؓ شام میں، عقبہ بن عامرؓ مصر میں، بریدہؓ خراسان میں، حضرت علیؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ کوفہ میں وقس علیٰ ذٰلک۔ لیکن صحابہؓ کا گروہِ عظیم جن میں اکابر واجلہ فقہاء داخل تھے مدینہ ہی میں رہا۔ یہ مقدس گروہ جہاں تھا۔ اپنے مرئیات و مسموعات کی روایت کرتا رہا ان کے بعد ان مقامات و بلاد کے علمائے تابعین ان کے مرویات و علوم کے وارث ہوئے۔ دوسری صدی کے اواخر تک یہ علوم روایۃً و تحریراً اسی طرح منتشر رہے۔ ان کا مرکزِ اوّل مدینہ اور مرکزِ ثانی مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق تھا۔ امام شافعیؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے معلومات کے لحاظ سے اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے تحریر و تدوین میں ان کو یکجا کیا۔

امام مالکؒ کا عہدہ وہ ہے جب یہ معلومات تمام بلادِ اسلامیہ میں منتشر تھے اسی لحاظ سے امام مالک کے عصر میں جن مجموعہائے حدیث کی تدوین ہوئی وہ صرف اپنے اپنے حدود ملکی کے اندر محدود تھے۔ ابن جریجؒ نے مکہ میں، اوزاعی نے شام میں سفیان ثوری نے کوفہ میں، ابو سلمہ حماد نے بصرہ، ہیثم نے واسط میں، معمرؒ نے یمن میں، ابن مبارکؒ نے خراسان میں، جریر بن حمید نے رے میں، حدیثیں جمع کیں۔ لیکن مرکزِ نبوّت اور مہبطِ وحی کی حدیثوں کی جمع و ترتیب جو علمِ نبوی کا سب سے بڑا گنجینہ تھا جس سعادت اندوز کی قسمت میں تھی وہ امام مالک ہیں۔[۱]

مؤطا: موطا علوم مدینہ کا مجموعہ ہے جہاں ان زر و جواہر کی اصل کان تھی۔ تمام اکابر صحابہ واعاظم تابعین جن کا ذکر بہ تفصیل اوپر کئی بار گذر چکا ان کا مسکن یہی شہر مبارک تھا اور اسی لئے یہ صحیفہ مقدس انہی بزرگوں کی روایات و فتاویٰ پر مبنی ہے اس بنا پر یہ صحیفہ حقیقت میں صحیح ترین، موثق ترین اور کامل ترین احکامِ اسلامیہ

---

[۱] اس فصل کے تمام معلومات کے لئے مقدمہ فتح الباری دیکھو۔

کا مجموعہ ہے[1]۔

تالیفِ موطا: یہ ظاہر ہے کہ امام مالکؒ ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام فرما رہے، اس لئے اس تالیف کا مقام معلوم ہے لیکن صحیح زمانہ نہیں معلوم، بقرائن معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳۰ھ سے سنہ ۱۴۸ھ تک کا زمانہ ہے۔ سنہ ۱۳۰ھ سے زوالِ بنی امیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا شغل عام نہ تھا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے آخری حج کیا ہے اس وقت موطا متداول و مشہور ہو چکی تھی[2]۔ اس لئے زمانۂ تالیف ان دونوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ امام مالک نے منصور ہی کے حکم سے موطا کی تالیف شروع کی تھی کہ اس مجموعہ احکام میں نہ ابن عمرؓ کی سختیاں ہیں، نہ ابن عباسؓ کی رخصتیں اور نہ ابن مسعودؓ کے شواذ[3]۔

امام صاحب جو موطا کی تالیف میں مشغول ہوئے اور یہ خبر اوروں کو بھی پہنچی تو مدینہ کے علماء بھی اپنے اپنے احادیث کا مجموعہ تیار کرنے لگے، لوگوں نے امام سے جا کر عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ "صرف حُسنِ نیت کو بقا ہے"! یہ پیشینگوئی کس قدر صحیح اتری، دیکھو کہ موطائے مالک کے سوا کوئی موطا دنیائے معلوم میں باقی نہیں رہی۔ بعض لوگوں نے رشک کا انتقام دوسری طرح لیا، محمد بن اسحٰق صاحبِ سیر و مغازی نے کہا:

إیتونی بکتبہ حتی أبیّن عیوبہ فأنا بیطار کتبہ[4]۔	مالک کی کتابیں میرے پاس لاؤ میں ان کے عیوب دکھاؤں، مالک کی کتابوں کا ناقد تو میں ہوں۔

---

[1] مقدمہ مسوّٰی شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ [2] کشف الظنون "موطا" و جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۶۷، مصر۔ [3] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ذکر منصور۔ [4] تہذیب الکمال "مالک بن انس"

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہو کر شیوخِ حدیث کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ سب نے اس کو بغایت پسند کیا۔ عام اہل مدینہ کے لئے وہ دن عجیب مسرّت کا تھا جب ان کے مجموعۂ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ سعدون نام ایک شاعر موطا کی تعریف میں کہتا ہے۔

اقول لمن یروی الحدیث ویکتب ویسلك سبل الفقه فیه ویطلب

میں اس سے کہتا ہوں جو حدیث کی روایت کرتا ہے اور اس کو لکھتا ہے اور فقہ کے راستہ میں چلتا ہے اور اس کی طلب میں سرگرداں ہے۔

ان احببت ان تدعی لدی الخلق عالماً فلا تعد مایحوی من العلم یثرب

اگر تجھ کو یہ پسند ہے کہ مخلوق میں تو پکارا جائے، تو اس علم سے باہر نہ جا جس کو یثرب جاوی ہے

اتترك دارا کان بین بیوتها یروح ویغدو جبرئیل المقرّب

کیا اس مقام کو تو چھوڑتا ہے جس کے گھروں میں مقربِ بارگاہ جبریل آیا جایا کرتا تھا۔

و مات رسول الله فیها و بعدہٗ بسنته اصحابه قد تأدّبوا

اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ان کے بعد آپ کی سنت سے آپ کے اصحاب نے ادب پایا۔

فبادر موطا مالك قبل موته فما بعده ان فات للحق مطلب

تو مالک کی موطا کو جلد لو، کھونے نہ پائے کہ اگر یہ کھو گئی تو حق کی جستجو کی پھر جگہ نہیں۔

ودع للموطا کل علم ترید ه فان الموطا الشمس والغیر کوکب

اور موطا کے لئے ہر اس علم کو جس کو چاہتے ہو چھوڑ دو، کہ موطا آفتاب ہے اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں ستارہ ہیں۔

وجہ تسمیہ: لفظ موطا کا مفعول ہے جس کے معنی "روندنے" اور کسی چیز پر چلنے کے ہیں، موطا کے لغوی معنی "روندا ہوا" یا "چلا ہوا" کے ہیں۔ شاہ

ولی اللہ صاحب نے مسوّٰی میں لکھا ہے "روندے ہوئے یا چلے ہوئے"[1] کے۔ مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں اور جس کو ان سب کی راویوں نے روندا اور پامال کیا ہو، یعنی سب نے اس کے متعلق گفت گو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو اس طرح گویا اس کے معنی "متفق" اور "مطابق" کے ہیں، چونکہ تصنیف کے بعد تمام شیوخِ حدیث نے اس سے اتفاق و مطابقت کی، اس لئے اس کا نام موطّا مشہور ہوگیا[2] لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ "موطّا" اس راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں۔ سنّت کے معنی بھی راستہ کے ہیں، یہ وہ راستہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔ موطّا وہ پامال راستہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ گزرے، غرض موطّا کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسّر ہے، کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کا عمل رہا ہے، اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔

تعدادِ مرویات: ابتداءً موطّا میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ لیکن امام کے خامۂ صحت پسند نے تقریباً آٹھ ہزار حدیثیں، قلمزد کر دیں باقی ۱۷۲۰ ہیں، جن میں سے مسند اور مرفوع ۶۰۰ ہیں، مرسل ۲۲۵، موقوف ۶۱۳ تابعین کے اقوال و فتاوٰی ۲۸۵، بلاغات مالکؒ ۵۔

موطا کا موضوع: موطّا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں، اس لئے وہ سینکڑوں ابواب و فصول جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں نظر آتے ہیں موطّا ان سے خالی ہے، کیونکہ فقہیات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے اس بنا پر محدّثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو "کتاب السنن" کہنا چاہیئے۔

موطّا اور دیگر فقہائے مجتہدین کے مجموعہائے حدیث: فقہائے مجتہدین اربعہ میں سے ہر ایک کے انتساب سے ایک مجموعہ حدیث موجود ہے۔ مسند ابی حنیفہؒ، مسند شافعیؒ

---

[1] مقدمہ مسوّٰی شاہ ولی اللہ صاحبؒ ص ۶ [2] مقدمہ مسوّٰی شاہ ولی اللہ صاحبؒ ص ۶

مسند ابن حنبل۔ یہ تمام کتابیں موجود ہیں، فقیہ رابع کی تصنیف کو ان پر کیا فوقیت حاصل ہے ؟ اس جواب کے پردہ میں یہ ظاہر کر دینا ہے کہ امام مالکؒ کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ مسند ابی حنیفہ کے نام سے متعدد کتابیں موجود ہیں، مگر دراصل یہ تمام کتابیں امام ابو حنیفہؒ کے سینکڑوں برس بعد، امام ممدوح کے تلامذہ کی تصنیفات اور غیر معروف مسانید سے لے کر محمد بن یعقوب اور حسین بن محمد بن خسرو وغیرہ نے تالیف کی ہیں اور ان کو مسند ابی حنیفہ اور امام اعظم کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

مسند امام شافعی کی حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیفات میں بر سبیلِ استدلال جو حدیثیں روایت کی ہیں، ابو جعفر بن محمد بن مطر نیشا پوری یا ابو العباس نامی ایک شافعیؒ نے ان کو یکجا کر دیا ہے، مسندِ ابن حنبلؒ کی تالیف یقیناً خود امام احمدؒ نے شروع کی تھی۔ لیکن وہ ابھی مسودہ تھا کہ امام موصوف نے وفات پائی اس کی تبییض و ترتیب بعد کو امام احمدؒ کے صاحبزادہ عبد اللہؒ نے کی جو افسوس ہے کہ اس میدان کے مرد نہ تھے، اسی لئے مدنی اور عراقی مسندوں پر تخلیط ہے۔ اس بنا پر اس کو بجائے مسند احمد کے مسند عبد اللہ کہنا چاہئے۔ اور با ایں ہمہ اس میں صحیح احادیث کا التزام نہیں ہے۔ گو خود امام احمدؒ کو اس کا دعویٰ تھا۔

مؤطا اور اس کی معاصر کتابیں : مؤطا سے قبل اور خود اس کے زمانہ میں بیسیوں مسانید اور مؤطائیں لوگوں نے لکھیں، جن میں سے بعض اب تک باقی ہیں، باہمی موازنہ سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ مؤطا اور ان کتبِ معاصرہ میں وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری کو مصنف ابن ابی شیبہ اور کتبِ بیہقی سے، اور خود ان کتابوں کا فقدان اور عدم شہرت و قبول اور موت

اس پر کافی دلیل ہے، لیکن بایں ہمہ تین خاص وجوہ ایسے ہیں جن سے موطا کا امتیاز بالکل روشن ہو جاتا ہے۔

(۱) مؤطا سے پہلے جو حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، ان کا مبنیٰ زیادہ تر صحابہ و تابعین کے آثار و فتاویٰ تھے، امام مالک نے موطا میں احادیثِ صحاح و مسند یا منقطع و مرسل کو مبنائے اول اور آثار و فتاویٰ کو مبنائے ثانی قرار دیا۔

(۲) دوسرا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا تھا، اور موطا میں صرف اسی حدیث یا فتویٰ نے جگہ پائی ہے جس کو صحت کا شرف حاصل تھا۔

(۳) تیسری بات یہ کہ موطا مدینہ میں تالیف ہوئی ہے، اس کے رواۃ حجازی ہیں، اور دیگر مسانید اور موطائیں کوفہ، بصرہ، واسط، شام، یمن، خراسان اور رَے وغیرہ میں تالیف ہوئیں اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ حجاز کی حدیثیں صحت، قوت اور جودتِ اسناد میں سب پر فائق ہیں۔

طبقات کتب حدیث میں موطا کا درجہ : یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علمائے حدیث نے کتبِ حدیث کو چار مختلف طبقات میں منقسم کیا ہے، طبقۂ اولیٰ میں صرف وہ تصانیف ہیں جن کے مصنفین حدیث کے امام اور فن کے نقّاد تھے اور جن کی تصنیفات صحت، جودتِ اسناد، قبول محدثین کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور جن کے رجال حفظ، ثبوت، وثوق، شہرت میں معروف ہیں۔ طبقۂ ثانیہ میں اس سے کم درجہ وعلی ہذا الترتیب۔

طبقۂ اولیٰ میں موطاؔ، بخاریؔ اور مسلمؔ داخل ہیں، اور طبقۂ ثانیہ میں ترمذی، ابوداؤد و نسائیؔ۔ ان دونوں طبقات کو صحاحِ ستہ کہتے ہیں، ابن اثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ نے جامع الاصول میں انہی چھ کتابوں کو جمع کیا ہے۔

ؔ دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ذکر علم حدیث

طبقۂ اولیٰ میں موطا کا درجہ : طبقۂ اولیٰ یعنی موطا، بخاری اور مسلم میں موطا کا کیا درجہ ہے؟ علمائے حدیث اس کے جواب میں مختلف الرائے ہیں۔ عام علماء تو اس کو مسلم بلکہ ترمذی کے بعد بھی جگہ دیتے ہیں، لیکن محققین قدماء اور عموماً متاخرین میں شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس کو بخاری سے بھی مقدم سمجھتے ہیں اور خود میں بھی بدء طلبِ حدیث سے یہی اعتقادِ جازم رکھتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی فوقیت اگر کثرتِ روایات، کثرتِ مرفوعات اور مرسل و موقوف حدیثوں سے پاک ہونے کی بنا پر ہے تو صحیح ہے، لیکن مدارِ فضیلت تو صرف "صحت" جودتِ اسناد اور "شہرت" کی بنا پر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ موطا میں مرسل، موقوف اور منقطع حدیثیں ہیں جو "صحیح" کے لئے قادح ہیں۔ لیکن ان کا ارسال، وقف اور انقطاع موطا کی روایات کے لحاظ سے درست ہے لیکن حقیقت کی رو سے یہ تمام مراسیل و موقوفات و منقطعات متصل، مرفوع و مسند ہیں۔ اور خود ان کے رفع اور اتصال و اسناد پر امام بخاری و امام مسلم و ترمذی وغیرہ کی مہرِ تصدیق لگی ہوئی ہے، اس حالت میں خیال کرو کہ موطا کی صحت کا درجہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے؟

(۱) موطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے، کلام اللہ کے بعد اسلام کے ہاتھ میں دوسری صحیح کتاب کلام الرسول آئی، جو موطا کے قالب میں ظاہر ہوئی۔ کشف الظنون میں ہے کہ "اوّل کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس" سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی ہے وہ موطا ہے قاضی ابوبکر بن عربی المتوفی ۵۴۶ھ موطا کی شرح لکھتے ہیں:

هٰذا اول کتاب فی شرائع الاسلام — یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے۔

حضرت سفیان کہتے ہیں:

اول من صنّف الصحیح مالك والفضل للمتقدم

سب سے پہلے مالک نے صحیح تالیف کی

(۲) صرف تقدم زمانہ ہی موطا کے تقدم کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ باوجود نقش اول ہونے کے اس کے بعد کی کتابیں گو کہ نقشِ ثانی ہیں تاہم اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ اس کے متعلق ائمہ مجتہدین اور علمائے حدیث کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں

ما علی وجه الارض من کتاب بعد کتاب الله اصح من موطا مالك بن انس،

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب موطا امام مالک سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔

ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں :

هٰذا اول کتاب وضع فی الاسلام وهو آخره لانه لم یؤلّف مثله

یہ اسلام کی سب سے پہلی کتاب ہے اور سب سے پچھلی بھی ہے کیونکہ پھر اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام نووی شرح مسلم کے دیباچہ میں اپنے استاد کا حال لکھتے ہوئے کہتے ہیں :

وقد وقع اعلی من هذه الکتب وان کانت عالیة موطا للامام مالك ...... وهو شیخ الشیوخ المذکورین کلهم

ایک کتاب مجھ کو ملی جو ان تمام کتابوں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی) سے بہتر ہے اگرچہ کتابیں اچھی ہیں۔ وہ موطا جس کے مصنف امام مالک ..... تمام محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "کتاب الام میں امام شافعی کی اور کتاب الآثار میں امام محمد کی جو فقاہت ہے وہ موطا ہی کے صدقہ میں ہے۔

(۳) امام بخاری اور امام مسلم سے جن لوگوں نے صحیح مسلم کی روایت کی ہے گو ان کی کثرت تواتر کے حد تک پہنچ چکی ہے مگر امام مالک سے موطا کی روایت کرنے والے جس پایہ کے لوگ ہیں وہ بخاری اور مسلم کے نہیں ہیں اس لئے خواص و عوام کی نقل و روایت میں جو فرق ہے وہ یقیناً موطا اور دیگر کتب کے نقل و روایت میں ہے۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے اور محدثین میں سے بیشمار لوگوں نے امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے۔ انہی میں سے امام عبداللہ بن مبارک، ہیثم بن جمیل محدثِ انطاکیہ، امام منصور بن سلمہ محدثِ بغداد، عبداللہ بن وہب محدثِ مصر، یحییٰ ابن یحییٰ محدث، مسلم قتیبہ ابن سعد وغیرہ ہیں۔ فقہاء میں سے فقیہ ہشام بن عبداللہ بن قاسم مؤلف مدونۃ الکبریٰ وغیرہ۔ صوفیاء میں حضرت ذوالنون مصری۔ خلفاء میں ہادی، مہدی، ہارون مامون، امین۔ اور عام علماء میں سے تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے موطا امام مالک سے روایت کی ہے۔ سیوطی نے تنویر الحوالک میں لکھا ہے کہ امام مالک سے روایت کرنے والوں کی جتنی کثیر تعداد ہے اتنی کسی امام کے رواۃ کی نہیں۔

(۴) یہ ایک کھلی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مولف حدیث میں جتنے واسطے کم ہوں گے اسی قدر اس کی تالیف درجۂ اعتبار میں زیادہ ہوگی۔ بخاری و مسلم کی عموماً روایتیں پانچ چھ واسطے سے ہوتی ہیں۔ موطا کی حدیثیں تین چار واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہوتیں امام بخاری کو اپنے بیس ثلاثیات پر ناز ہے اور موطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے اور علاوہ ازیں اس میں چالیس ثنائیات ہیں یعنی ایسی حدیثیں ہیں جنمیں مؤلف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

موطا کے نسخے : سینکڑوں لوگوں نے امام صاحب سے موطا کو مختلف زمانوں میں حاصل کیا اس کثرتِ تعداد اور اختلافِ اوقات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک کی روایت میں کسی نہ کسی قدر کتاب کے ابواب کی ترتیب و تقدیم و تاخیر اور بعض الفاظ میں اختلاف ہو۔

چنانچہ موطا امام صاحب سے تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ جن میں مشہور ۱۹ نسخے ہیں ان میں سے معتبر اور باوثوق اول کے گیارہ اور معتبر تر اور باوثوق تر چار ہیں یعنی یحیٰی بن بکیر ابو مصعب اور ابن وہب کے نسخے۔ لیکن متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین یحیٰی کی روایت ہے۔ کتاب کی مشہور ترتیب یہ ہے کہ اول کتاب الجنائز پھر کتاب الصلوٰۃ پھر کتاب الزکوٰۃ پھر کتاب الصیام۔ اس کے بعد یہ تمام نسخے کتاب الحج تک متفق ہیں۔ کتاب الحج کے بعد سے پھر مختلف الترتیب ہیں۔ اس قسم کا اختلاف بخاری و مسلم سب میں ہے۔

(۱) یحیٰی بن یحیٰی مصمودی اندلسی بربر کے رہنے والے تھے ان کے دادا پہلے شخص ہیں جو ان کے خاندان میں مشرف با اسلام ہوئے۔ قرطبہ میں امام صاحب کے تلمیذ خاص ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن بن زیاد لخمی درس دیتے تھے۔ یحیٰی نے پہلے انہی سے پوری موطا کی قرأت کی مگر شوقِ علم بیس سال کی عمر میں قرطبہ سے نکال کر آستانۂ امامت تک لے آیا مگر قسمت نے یحیٰی کو امام صاحب سے پوری موطا نہ پڑھنے دی اسی سال امام کا انتقال ہو گیا، اسی لئے یحیٰی کے نسخے میں تمام احادیث "حدثنا مالک" سے شروع ہوتی ہیں لیکن باب خروج المعتکف الی العید، باب قضاء الاعتکاف، باب النکاح فی الاعتکاف "حدثنا زیاد عن مالک" یعنی ایک واسطہ زیادہ ہے۔

امام صاحب یحیٰی کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اندلس میں سلطنت بھی ان کا خاص احترام کرتی تھی۔ چار مسئلوں کے سوا ہر بات میں وہ امام صاحب کے مقلد تھے ۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۸۲ سال کی عمر پائی ۲۳۴ھ میں انتقال کیا۔

(۲) یہ نسخہ عبداللہ بن وہب کی تالیف ہے۔ مصر وطن تھا مشہور محدث لیث بن سعد مصری سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام صاحب کی شہرت مصر سے ان کو مدینہ لے آئی۔ امام صاحب کے شاگردوں میں تالیف و تصنیف کے لئے انہی کے دل و دماغ کو قدرت الٰہی نے منتخب کیا تھا۔ "مسموعات امام مالک" کے نام سے انہوں نے

تین کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں بر سبیلِ تذکرہ مروی ہیں اور سب صحیح ہیں۔ ذیقعدہ ۱۲۵ھ سال پیدائش ہے اور شعبان ۱۹۷ھ سالِ وفات۔

(۳) اس کے راوی عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ہیں۔ محدثین ان کی حدیث دانی میں امام صاحب کے تمام تلامذہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ آٹھ برس امام صاحب کی خدمت میں رہے۔ جب یہ بیمار ہوتے تو امام صاحب خاص طور سے ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔ محرم ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

(۴) مالکی مذہب کے مشہور فقیہ ابن القاسم اس کے راوی ہیں۔ مالکی مذہب کی پہلی تدوین انہی سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب المدونۃ الکبریٰ انہی کی تالیف ہے، فتاوائے امام مالک کو انہوں نے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ابن القاسم نہ صرف میدانِ علم کے شہسوار تھے بلکہ روم، بربر، زنج کے جہاد میں اپنی زندگی کا ایک چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔ مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) معن بن عیسٰی امام بخاری و مسلم و ترمذی کے شیخ ہیں۔ امام صاحب نے ان کو متبنّٰی کیا تھا، ہارون نے امام صاحب کے درس میں انہی کی قرأت کی سماعت کی تھی۔ امام صاحب کے چالیس ہزار فتاوے ان کو یاد تھے۔ مدینہ میں ۱۹۸ھ میں انتقال کیا۔

(۶) عبداللہ بن یوسف گو پیدا دمشق میں ہوئے تھے لیکن سکونت اندلس میں تھی۔ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ امام بخاری ان کے علم و فضل کے مدّاح تھے۔

(۷) یحیی بن بکیر امام بخاری بلا واسطہ اور امام مسلم بیک واسطہ ان سے روایت کرتے ہیں امام صاحب سے موطا انہوں نے چودہ مرتبہ پڑھی تھی۔ امام صاحب کی

ثنائیات کو انہوں نے الگ الگ رسالہ میں جمع کیا ہے۔ علمائے اندلس اپنے شاگردوں کو فراغت کی سند دیتے تھے، اس کو تبرکاً پڑھاتے تھے بعض لوگوں نے اپنی نادانی سے ان پر جرح کی ہے

(۸) سعید بن غفیر: مشاہیرِ مصر سے ہیں۔ لیث مصری اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔ علم حدیث کے علاوہ تاریخ، سیر، ادب، علم الانساب اور شاعری میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ سنہ ۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابومصعب زہری: شیوخِ مدینہ سے ہیں جب تک یہ زندہ رہے حجاز والے اہل عراق کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔ صحاح ستہ میں ان کی روایت ہے، سب سے اخیر میں جو موطا امام صاحب کو سنائی گئی ہے وہ انہی کی روایت سے ہے۔ سنہ ۲۴۰ھ میں جب انہوں نے وفات پائی تو مدینہ میں خدمتِ قضاء پر مامور تھے۔

(۱۰) اس کے راوی مصعب بن عبداللہ زبیری ہیں۔

(۱۱) یہ محمد بن مبارک کی روایت سے

(۱۲) سلیمان بن برد غافقی نے ان بارہ نسخوں کو ملاکر ایک ضخیم کتاب تالیف کی۔

(۱۳) یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ

(۱۴) ابوحذافہ سہمی محدثین ان کو قابلِ وثوق نہیں سمجھتے امام صاحب کے شاگردوں میں سب سے اخیر بغداد میں سنہ ۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابومحمد سوید بن سعید ہروی، مسلم اور ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے اخیر عمر میں ان کے حفظ میں ضعف آگیا تھا۔ سنہ ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۶) حنفی مذہب کے نامور مصنف امام محمد بن حسن شیبانی اس موطا کے راوی ہیں اصلی وطن شام تھا۔ واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو ونما پائی، امام مالک

سے حدیث اور امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کی۔ عربیت، نحو، فقہ، حساب کے ماہر تھے ۱۸۹ھ میں رے میں وفات پائی۔

امام محمد نے چونکہ اپنے طور سے موطا کو ترتیب دیا ہے اور ہر حدیث کے ختم پر مسائل کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ امام صاحب کے سوا امام ابوحنیفہ کی حدیثیں بھی اس میں نقل کی ہیں اس لئے یہ موطائے امام محمد کہلاتی ہے۔

شروح و تعلیقات کسی تصنیف کے قبول و ہر دلعزیزی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین و محشین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئے اور کمیت بھی کوئی اس قدر بڑی چیز نہیں جس قدر کیفیت ہے، یعنی یہ کہ فضل و کمال میں ان کا کیا پایہ تھا۔ موطا ان دونوں خصوصیات کے لحاظ سے خوش قسمت ہے تقریباً پچیس علمائے کبار نے اس کی شرح و تعلیق اور دیگر خدمات انجام دیئے ہیں یہ تو کمیت کا حال ہے۔ کیفیت کے لحاظ سے دیکھو تو ان میں قدماء سے ابن حبیب مالکی المتوفی ۲۳۹ھ امام ابوسلیمان البستی الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ، محدث ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ، امام باجی اندلسی المتوفی ۴۷۴ھ، قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ، قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۶ھ اور متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، علامہ زرقانی مصری المتوفی ۱۱۲۲ھ، شاہ ولی اللہ الدہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ وغیرہ داخل ہیں۔

امام خطابی، حافظ سیوطی، ابن عبدالبر، ابن حزم، ابوالولید باجی نے موطا بحذف فتاویٰ صرف احادیث کی تلخیص کی ہے۔ حافظ سیوطی نے رجال موطا کو علیحدہ کیا ہے، احمد بن عمران اخفش بصری اور قاضی عیاض نے موطا کے لغات حل کئے ہیں، باجی اور دارقطنی نے موطا کے اختلاف نسخ پر بحث کی ہے۔ ابوالحسن علی بن محمد قابسی نے موطا کی صرف متصل الاسناد حدیثیں

جمع کی ہیں۔ ابن بشکوال اور خطیب بغدادی نے صرف ان لوگوں کے حالات لکھے ہیں جنہوں نے امام سے موطا کی روایت کی ہے۔

ذیل میں ان لوگوں کی فہرست نقل کرتا ہوں جنہوں نے موطا کے متعلق کوئی خدمت انجام دی ہے۔

شروح مؤطّا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح موطا	ابو مروان بن عبد الملک بن حبیب مالکی المتوفی ۲۳۹ھ	موطا کی سب سے قدیم شرح ہے
التمہید لما فی الموطا من المعانی او الاسانید	حافظ ابن عبد البر قرطبی المتوفی ۴۶۳ھ	موطا کے معانی کی تشریح اور اس کے اسانید کی تحقیق اور اس ضمن میں فقہ و حدیث کے بیشمار معلومات ہیں، اس کی ترتیب رواۃ کے نام پر ہے۔ بترتیب ہجا خود
الاستذکار	〃	مصنف نے اپنی کتاب کا اختصار کیا ہے
المنتقی، الایما، الاستیفاء	ابو الولید سلیمان الباجی المتوفی ۴۷۴ھ	یہ تین شرحیں ہیں جو ایک ہی شارح کے قلم سے ہیں
×	ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ	ابن عبد البر کی تمہید کا اختصار
الانتقاء	شیخ زین الدین عمر حلبی	ابن عبد البر کی تمہید کا اختصار
شرح موطا	ابن ابی صفرہ	شرح
〃	القاضی ابو عبد اللہ بن الحاج	〃
〃	ابو الولید بن العود	〃
〃	ابو القاسم بن الجد الکاتب	〃

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح موطا	ابوالحسن الاشبیلی	شرح
"	ابوعمر الطلیطلی	"
القبس	قاضی ابوبکر بن العربی المغربی المتوفی ۵۴۶ھ	"
المقبس	ابومحمد عبداللہ بن بطیموسی المتوفی ۵۲۱ھ	"
الموعب	ابوالولید بن صفار	"
المستقصی	یحیٰی بن مزین	"
القرب	محمد ابن زمنین	"
المسالک	ابوبکر بن سابق الصقلی	"
شرح موطا	قاضی محمد بن سلیمان بن خلیفہ	"
کشف المغطا عن الموطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی	"
تنویر الحوالک علی موطا مالک	"	"
تجرید حدیث موطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ	موطا کی صرف حدیثیں جمع کی ہیں
شرح زرقانی	محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی المتوفی ۱۲۲ھ	یہ شرح ۳ جلدوں میں ہے
شرح موطا	بیری زادہ حنفی مفتی مکہ	شرح (مقدمہ موطا امام محمد از مولٰنا عبدالحی)
شرح موطا	شیخ علی قادری حنفی ،	" "
المصفیٰ	شاہ ولی اللہ دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ	تعلیق بر موطا عربی زبان میں ہے ، اختلافِ فقہا کی تفصیل کی ہے .

کیفیت	نام مصنف	نام کتاب
فارسی میں موطا کی مجتہدانہ شرح ہے۔		المسویٰ
نہایت محققانہ شرح ہے خاص مصنف کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔ پہلے صفحہ پر "الفضل الکبیر" مادۂ تاریخ ہے۔	شیخ الاسلام حنفی دہلوی الموجود ۱۲۱۵ھ	المجلیٰ

[1] اس فہرست میں جہاں حوالہ نہ ہو اس کے لئے کشف الظنون، لفظ موطا دیکھنا چاہیئے اور تزئین الممالک صفحہ ۵۸ نقلاً عن المدارک للقاضی عیاض،

۲- تجرید و اسناد مؤطا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مسند احادیث الموطا	ابوالقاسم عبدالرحمٰن الغافقی المصری المتوفی ۳۸۱ھ	موطا کی احادیث مسند و متصل کا انتخاب و ترتیب و بیان
ملخص موطا	امام ابوسلیمان الخطابی البستی المتوفی ۳۸۸ھ	″
التعفظ بحدیث الموطا	ابن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ	″
المخلص	ابوالحسن علی بن محمد قالبسی المتوفی ۴۰۳ھ	″
مسند الموطا	قاسم بن اصبغ	″
″	ابوالقاسم الجواہری	″
″	ابوذر الہروی	″
″	ابوالحسن علی بن حبیب السلجماسی	″
″	المطرز	″
″	احمد بن قہراء	″
″	الفارسی	″
″	القاضی ابن المفرج	″

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مسند الموطا	ابن الاعرابی	موطا کی احادیث مسند و متصل
"	ابوبکر احمد بن سعید بن موضح	کا انتخاب و ترتیب و بیان
"	الاخیمی ابو عمر الطلیطلی	موطا بروایت قعنبی کے
"		احادیث و ترتیب و بیان
"	ابراہیم بن نصر السرقسطی	"

۳- اختلاف الموطاآت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
اختلاف الموطاآت	حافظ ابوالحسن الدارقطنی	موطا کے مختلف روایات
"		اور نسخوں کی تحقیق و بیان
"	ابوالولید سلیمان الباجی	"

۴- رجال المؤطا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
رجال الموطا	قاضی ابوعبداللہ محمد بن یحیی الحذاء	موطا کے رجال و رواۃ کی تحقیق و حالات
"	ابوعبداللہ بن المفرج	"
"	البرقی	"
"	ابو عمر الطلیطلی	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
رجال الموطا		موطا کے رجال و رواۃ کی تحقیق و حالات
اسعاف المبطا برجال الموطا	حافظ جلال الدین سیوطی،	"

۵۔ غریب الموطا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
غریب الموطا	احمد بن عمران الاخفش	موطا کے لغات کی تحقیق
"	ابو القاسم العثمانی المصری	"
"	البرقی	"
مشارق الانوار	قاضی عیاض	بخاری، مسلم اور موطا کے لغات کی تحقیق،

۶۔ رواۃ الموطا عن مالک

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
تسمیہ من روی الموطا عن مالک	ابو القاسم ابن بشکوال اندلسی	امام مالک سے جن لوگوں نے موطا کی روایت کی انکے حالات
رواۃ مالک	محدث خطیب بغدادی	"
"	قاضی عیاض	"
ایجاب السالک برواۃ الموطا عن مالک	حافظ شمس الدین دمشقی	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت

۷۔ متفرق مباحث

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
التقصی	ابن عبد البر اندلسی	موطا کے منقطع، مرسل منفصل بلاغات کا وصل ورفع واسناد
اطراف الموطا	ابوبکر بن ثابت الخطیب	×
توجیہ الموطا	ابوعبداللہ بن عیشون الطلیطلی	×
السافر عن آثار الموطا[1]	حازم بن محمد بن حازم	موطا کے آثار کی تحقیق وبحث ۴۰ جز میں۔
تاج الحلیہ	ابو محمد بن یربورع	موطا کے اسانید پر تحقیق وبحث
جمع الموطا[1]	ابن جوصا	شاید موطا کے مختلف نسخوں کا مجموعہ ہے۔
مشائخ مالک	امام مسلم	امام مالک کے اساتذۂ حدیث کے حالات

[1] یہ تمام فہرست کشف الظنون لفظ موطا اور مدارک قاضی عیاض سے بواسطہ تزئین الممالک سیوطی صفحہ ۵۲، ۵۸ سے ماخوذ ہے،

موطا کا ایک اور امتیاز: گو سلاطین اور خلفائے اسلام میں ہزاروں اشخاص ایسے گذرے ہیں جو صاحب سیف وقلم تھے تخت ومنبر دونوں ان کے نام سے عزت پاتے تھے، لیکن کسی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے کہ اس نے طلبِ علم واخذِ سند کے لئے کوئی سفر اختیار کیا ہو کہ خود ان کا قصر اساتذہ کا مرکز اور علمائے عہد کا مرجع ہوتا تھا، لیکن تنہا موطا وہ کتاب مقدس ہے جس کے لئے مہدی، ہادی، رشید، مامون اور امین مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک بادیہ پیمائی کی اور آخر میں چھٹی صدی میں بزرگترین سلاطین اسلام صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس نے قاہرہ سے اسکندریہ تک صرف اسی کی خاطر سفر گوارا کیا[1]

---

[1] تزئین الممالک نقلاً عن القاضی الفاضل وزیر السلطان، صفحہ ۴۶،

علامہ سید سلیمان ندوی

(۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۳ء)

آپ کا اصلی نام انیس الحسن اور کنیت ابو نجیب تھی۔ لیکن سن شعور پر پہنچنے کے بعد آپ نے اپنا نام سید سلیمان لکھنا شروع کیا۔ سید صاحب کے والد ماجد حکیم ابوالحسن ریاست اسلام پور میں شاہی طبیب تھے۔ سید صاحب بروز جمعۃ المبارک ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء (مطابق ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ) کو پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر پائی۔ بعد میں آپ نے علم و عرفان کے مراحل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں طے کئے آپ نے کچھ عرصہ پھلواری کی خانقاہ مجیبی میں رہ کر مولانا محی الدین سے بھی کچھ فنی کتابیں پڑھیں پھلواری سے آپ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ چلے گئے۔ جہاں آپ نے درس نظامیہ کی بعض کتابیں ختم کیں۔ سید صاحب ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہو گئے یہاں پانچ سال تک تعلیم پانے کے بعد ۱۹۰۶ء میں آپ نے سند فراغت تکمیل حاصل کی۔

ندوۃ العلماء میں سید صاحب کو ملک کے مشہور مورخ۔ متکلم۔ فلسفی۔ محقق و مفکر کے علاوہ مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی۔ مولانا حفیظ اللہ۔ مفتی عبداللطیف اور مولانا عبدالحی فرنگی محل سے اخذ فیض کے مواقع حاصل ہوئے۔ ندوۃ العلماء کے قیام کے دوران سید صاحب نے اپنے لئے خاص امتیاز حاصل کیا۔ جس کا اعتراف شاہ سلیمان پھلواری مرحوم تک نے کیا۔

دارالعلوم ندوہ میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ۱۹۰۷ء میں ہوئی اس

موقع پر سید صاحب نے عربی میں ایک فاضلانہ مقالہ پڑھا۔ جس پر علامہ شبلی نعمانیؒ نے جوشِ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سر سے عمامہ اتار کر سید صاحب کے سر پر باندھ دیا اور اپنے مایۂ ناز شاگرد کے متعلق مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کو لکھا۔

" سلیمان کی طرف سے درخواست کی گئی کہ فی البدیہہ جو مضمون مجھ کو بتایا جائے میں اس وقت عربی زبان میں اس پر لیکچر دوں گا۔ غلام الثقلین نے ایک مضمون دیا اور بغیر ذرا سی دیر کے سلیمان نے نہایت مسلسل فصیح اور صحیح عربی میں تقریر شروع کی تمام جلسہ محوِ حیرت تھا۔ آخر لوگوں نے نعرہ ہائے تحسین کے ساتھ خود کہا کہ بس اب حد ہو گئی "
(حیاتِ شبلی ص۴۵۸)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی موت سے پہلے سید صاحب کو پونا سے تار بھجوا کر بلایا اور سید صاحب کے اعظم گڑھ پہنچنے پر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔

" سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ سب کام چھوڑ کر سیرت تیار کر دو "

سید صاحب نے اس کام کی تکمیل کا وعدہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انہوں نے استاد کے نیک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور یوں شبلی مرحوم کی سیرت النبیؐ کی باقی جلدیں لکھ کر یہ بے حد اہم فریضہ سر انجام دے دیا۔

سید صاحب نے چالیس سال کی عمر تک سوائے علمی اور تحقیقی مشاغل کے کبھی کسی دوسرے معاملہ میں دخل نہ دیا۔ البتہ ۱۹۲۰ میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے اصرار پر وفدِ خلافت کا رکن بن کر یورپ گئے لیکن جانے سے پہلے اپنے چچا مولانا عبدالحکیم کو لکھا۔

" ڈر ہے کہیں پالٹیکس میرے علمی مشاغل کو تہ و بالا نہ کر دے "

علومِ دینیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد آپ "الندوہ" جیسے بلند پایہ علمی ماہنامے کے نائب مدیر بنا دیئے گئے۔ رسالہ کی ادارت تو برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبہ

تصنیف وتالیف تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے جو بلند پایہ علمی ماہنامے کے نائب مدیر بنا دیئے گئے۔ رسالہ کی ادارت تو برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبہ تصنیف وتالیف تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے جو بلند پایہ مضامین لکھے ملک کے علماء وفضلا نے انہیں سر آنکھوں پر جگہ دی خود مولانا شبلی ان کی حسن کارکردگی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء کے ۱۹۱۲ء کے اجلاس میں اپنے خطبہ میں واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

ندوہ نے کیا کیا؟ صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔

"الہلال" کے ادارہ تحریر میں شرکت:

۱۹۱۲ء میں امام الہند ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے اپنے شہرۂ آفاق ہفت روزہ "الہلال" نکالا آپ نے اس کی ادارت میں معاونت کے لئے سید صاحب کو لکھا۔ مولانا آزاد کی اس خواہش پر علامہ شبلی مرحوم نے سید صاحب کو بھی مشورہ دیا کہ وہ مولانا آزاد کے ساتھ مل کر تحریر کے میدان میں علمی۔ ادبی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ سید صاحب نے اس فرض منصبی کو جس خوبی سے سرانجام دیا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب سید صاحب الہلال کی معاونت چھوڑ کر پونہ چلے گئے تو ان کے جانے کے بعد ادارت کا کام اس قدر متاثر ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد ان الفاظ میں سید صاحب کو واپس آنے کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کر لی۔ حالانکہ خدا نے آپ کو درس وتعلیم سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنئے آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت دل میں رکھتا ہوں۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طلبہ کو عربی فارسی سکھلا دی آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔ آپ اگر الہلال بالکل لے لیجئے۔ اور جس طرح جی چاہے اُسے ایڈٹ کیجئے میں صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا اور جس طرح چاہیں کریں میرا کچھ تعلق نہ ہوگا۔ آپ معاً یہاں

استعفا دے دیں اور کلکتہ چلے آئیں۔ یہ خط مولانا آزاد نے ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو لکھا تھا اس کی ایک ایک سطر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام جیسے نابغۂ روزگار شخص کو سید صاحب کی معاونت کی کتنی ضرورت تھی۔ اور یہ بلاشبہ سیّد صاحب کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔

شبلی کی جانشینی:- ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو شبلی کے انتقال پر سیّد صاحب نے تمام علائق کو خیرباد کہہ کر استاد کے سیرۃ النبیؐ کے نامکمل کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ شبلی کے ارادتمندوں نے استاد مرحوم کی جانشینی کا تاج سید صاحب کے سر پر رکھا یہ جون ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے۔ جب سیّد صاحب دکن کالج پونا سے مستعفی ہو کر اعظم گڑھ پہنچ چکے تھے۔

سیّد صاحب نے اعظم گڑھ تشریف لاکر دارالمصنفین کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے نہ صرف استاد مرحوم کے ناتمام مشن کی بلکہ دارالمصنفین کو اپنی علمی خدمات سے ملک کے طول وعرض میں شہرت دوام سے دوچار کر دیا

سیاست سے کنارہ کشی:- سیّد صاحب چونکہ میدان علم وفضل کے یکہ تاز تھے اس لئے آپ سیاست کے خارزار سے ہمیشہ کنارہ کش رہتے تھے اور اگر کبھی ان کو کھینچ کر اس میدان میں لانے کی کوشش کی جاتی تو آپ پہلو بچا کر صاف نکل جاتے البتہ آپ کی سیاسی فراست کے سبھی معترف تھے۔ مشہور ہندو رہنما گاندھی نے آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کو دیکھ کر آپ کو "چتر مولوی" کے خطاب سے نوازا تھا۔

سید صاحب نے ایک موقع پر سیاست کے متعلق لکھا تھا۔

"میں نے کبھی یہ خرقۂ مے آلود خود نہیں پہنا۔ کبھی محمد علی جوہر نے پہنا دیا۔ کبھی شوکت علی نے۔ اور جب کسی نے پہنایا بھی تو میں نے فوراً اتار پھینکا"

سیّد صاحب عمر بھر سیاست سے کنارہ کش رہے اور اگر بہ امر مجبوری اس میں حصّہ لیا

بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ مشورہ اور رائے کی حد تک تھا۔ اپنے اس مسلک کے بارے میں انہوں نے مزاحاً فرمایا تھا:۔

"بھئی! مجھے چیمبر پریکٹس تو آتی ہے۔ پبلک پریکٹس نہیں آتی"۔

سید صاحب سیاسیات کو دروغ بے فروغ سمجھتے تھے اس لئے آپ اس سے اِبا کرتے تھے۔ تاہم سید صاحب مسلمانوں کے اہم مِلّی امور میں تعاون کیا کرتے تھے۔

حسنِ اخلاق:۔ سید صاحب حسنِ اخلاق کا پیکر تھے۔ حلم۔ غیرت۔ مروت۔ حیا۔ تواضع۔ انکسار وغیرہ تمام نیک اوصاف ان کی سرشت میں شامل تھے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ایک بار دوران گفتگو کہا تھا۔ "رذائل اخلاق بالطبع ان میں موجود ہی نہ تھے"۔

سید صاحب اس لحاظ سے انتہائی خوش نصیب تھے کہ انہیں مولانا شبلی مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کا شرف حاصل ہوا۔ گویا جو سعادت علامہ شبلی کو آخر عمر میں حاصل ہوئی۔ وہ سید صاحب کو بہت پہلے مل گئی۔

تلاش مرشد:۔ سید صاحب ایک جیّد عالم دین ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج تھے۔ اگرچہ آپ خود علم ومعرفت کے بلند مقام پہ فائز تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ایسے پیر طریقت کی تلاش میں تھے جو ان کے جذبۂ شوق کے لئے مہمیز کا کام دے۔ وہ ایک عرصہ تک ایک مرد کامل کی تلاش میں رہے۔ انہیں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس لئے آپ ان کے خلیفہ ارشد مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور بعد میں ان کے خلیفۂ مجاز بن گئے۔

سیّد صاحب کی تصانیف:۔ سید صاحب زندگی بھر علمی خدمات سرانجام دیتے رہے اور آپ نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

سیرۃ النبیؐ:- اس جلیل القدر کتاب کی پہلی دو جلدیں تو شبلی مرحوم لکھ چکے تھے۔ جن میں زیادہ تر سیرت وسوانح ہیں باقی چار جلدیں سید صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ان جلدوں میں عقائد اسلام۔ عبادات۔ اخلاقیات۔ معجزات وغیرہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

خطباتِ مدراس:- یہ بھی سیرت ہی کے سلسلہ کی ایک اہم تصنیف ہے، یہ خطبات ۱۹۲۵ء میں مدراس کے دیندار مسلمانوں کی فرمائش پر دیئے گئے یہ خطبات سیرتِ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

سیرۃ عائشہؓ:- یہ کتاب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرتِ طیبہ کے عظیم موضوع سے تعلق رکھتی ہے، یہ بھی دراصل سیرتِ نبویؐ کا ضمیمہ ہے۔

ارضُ القرآن:- اس کتاب میں قرآن مجید کے بعض تاریخی اور جغرافیائی بیانات پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

عرب وہند کے تعلقات:- یہ سید صاحب کی خالص علمی تصنیف ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے لکھی گئی ہے۔

خیّام:- یہ بھی خالص علمی تصنیف ہے جو نامور فلسفی۔ ریاضی داں اور شاعر خیّام کے حالات پر مشتمل ہے۔

حیاتِ شبلیؒ:- یہ کتاب سید صاحب کے استاد علامہ شبلی کا تذکرہ جمیل ہے۔

حیاتِ مالک :- یہ کتاب امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک کے حالات، علمی خدمات اور اُن کے مسلک کی وضاحت کرتی ہے۔

سید صاحب ایک نغز گو شاعر بھی تھے آپ کی ایک نعت کے دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے — مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے

پاکیزہ تر از عرش و سما و جنت فردوس — آرام گہِ پاک رسول عربی ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوب بخاکی — محبوب خدا ہے وہ جو محبوب نبی ہے

وفات :- سید صاحب استسقائے قلب کے عارضہ میں ایک عرصہ سے مبتلا تھے۔ جس کے سبب آپ تنگی تنفس کا شکار ہوگئے۔ اور یہی عارضہ بڑھ کر جان لیوا ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ ۲۲، نومبر ۱۹۵۳ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی وفات سے عالم اسلام ایک بطل جلیل سے محروم ہو گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے تعزیتی بیان میں کیا خوب کہا۔

"سید سلیمان کی موت سے قوم ایسے جیّد اور فاضل عالم سے محروم ہوگئی ہے۔ جس نے اپنی تمام زندگی اسلام کا پرچم سربلند کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

از الحاج حکیم غلام نبی ایم۔ اے

حضرت امام ابوحنیفہؒ جنہیں دنیائے فقہ میں انکی جلالتِ شان اور تبحر علمی کی بنا پر امام اعظمؒ کے جلیل القدر خطاب سے جانا اور پہچانا جاتا ہے نہ صرف ایک بلند پایہ فقیہہ ہی تھے بلکہ آپ ایک مسلم الثبوت محدث بھی تھے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص قرآن وسنت اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم سے پوری طرح باخبر نہ ہو وہ فقہی احکام کے استنباط کی جرأت نہیں کرسکتا حضرت امام اعظمؒ کے علمی مرتبہ کو گھٹانے کے لئے آپ کے مخالفین نے آپ کو "فقیہہ عراق" کہہ کر آپ کی جلالتِ شان کو کم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی عوام کو یہ تاثر دیا کہ آپ صرف اپنے منطقی ذہن سے تخلیقِ احکام کیا کرتے تھے لیکن آپ کو سنت نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کا پورا علم نہ تھا اور نہ آپ کسی محدثِ جلیل سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ اس غلط پروپیگنڈے کا ناقوس کچھ ایسی بلند آہنگی سے پھونکا گیا کہ مخالف تو مخالف اپنے بھی اس غلطی کا پوری طرح صیدِ زبوں بن گئے۔ ہمارا ملک جس میں علم حدیث کا غلغلہ دوسرے ممالک کے مقابلہ میں نسبتاً کم رہا ہے یہاں کے اہل قلم کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ علم حدیث میں حضرت امام اعظمؒ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے

چنانچہ ملا جیونؒ (متوفی ۱۱۳۰ھ) نورالانوار میں لکھتے ہیں :

لَمْ یَجْمَعْ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ کِتَاباً فِی الْحَدِیْثِ .	حضرت ابو حنیفہؒ نے حدیث میں کوئی کتاب مدوّن نہیں فرمائی ۔

(نورالانوار مطبوعہ لکھنؤ ص۱۶)

ملاّ جیونؒ محدّث نہ تھے اس لیے ان کے اس بیان پر کسی قسم کے استعجاب کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی. لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کتاب الآثار سے پوری طرح واقفیت رکھنے کے باوصف مصفّی شرح موطا امام مالکؒ میں ارشاد فرماتے ہیں:

واز ائمہ فقہ امروز ہیچ کتابے کہ خود ایشاں تصنیف کردہ باشند بدست مردماں نیست الا موطا (مصفّی ص۱۱)	اور آج ائمہ فقہ کی کوئی کتاب کہ جسے انہوں نے خود تصنیف کیا ہو سوائے موطا کے لوگوں کے پاس موجود نہیں ہے ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے جلیل القدر والد کی اتباع کرتے ہوئے بستان المحدثین میں رقمطراز ہیں :

باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث غیر از موطا موجود نیست (ص ۲۷-۲۸)	جاننا چاہیئے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں سوائے موطا کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے ۔

علامہ شبلی مرحوم جو برّ صغیر کے ایک بلند پایہ مصنف اور ناقد تھے وہ بھی شاہ صاحب ہی کے فیصلہ پر اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے"

(سیرۃ النعمان. مطبوعہ آگرہ ص۱۱۹)

علامہ مرحوم کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور بھی اپنے استاذ کی اقتدا میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے" (سیرۃ النعمان. مطبوعہ آگرہ ص۱۱۹)

"امام مالکؒ کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی" (حیات مالک طبع معارف اعظم گڑھ ص ۹۰)

درج بالا تمام آرا کو دیکھ کر ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ ملا جیون تو علم حدیث کے مردِ میدان نہ تھے لیکن تعجب تو شاہ ولی اللہ صاحب پر ہوتا ہے جنہوں نے کتاب الآثار کے اطراف کا شیخ تاج الدین حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے سماع کیا ہے چنانچہ آپ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں انکے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"واطراف.... کتاب الآثار امام محمد وموطا او از وے سماع نمود"

(انسان العین طبع احمدی دہلی ص۱۶)

شاہ صاحب کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ مصفیٰ میں آپ فرماتے ہیں:

"آثار یکہ از امام ابو حنیفہؒ روایت کردہ است"

(مصفیٰ طبع دہلی ص۸)

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب الآثار کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمدؒ کی تصنیف سمجھتے ہیں. مولانا شبلی بھی سیرۃ النعمان ص ۲۷ پر لکھتے ہیں:

"خوارزمی نے آثار امام محمد کو امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بلاشبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابو حنیفہؒ کا مسند کہیں یا آثارِ امام محمد کے نام سے پکاریں۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب

امام محمدؒ کی طرف زیادہ موزوں ہے۔"

محدث ملا علی قاری حنفیؒ کو بھی کتاب الآثار سے متعلق شبلی مرحوم کی طرح اشتباہ ہوا ہے وہ بھی کتاب الآثار کو امام محمد ہی کی تصنیف خیال کرتے ہیں۔

اس اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد نے جس طرح کتاب الآثار کو روایت کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا محل استعجاب نہیں امام موصوف کا اس کتاب کے متعلق طرز عمل یہ ہے کہ وہ پہلے اس کتاب کی روایات نقل کرتے ہیں اور پھر ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاذ گرامی کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اسے نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ کتاب الآثار کی اکثر احادیث امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ دوسرے شیوخ سے بھی منقول ہیں۔ اس لیے سرسری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب خود امام محمد کی تصنیف ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ بلکہ کتاب الآثار حضرت امام اعظمؒ کی تصنیف ہے اور امام محمدؒ صرف اس کے راوی ہیں۔ البتہ امام محمدؒ نے اس کتاب کی روایت اس طرح کی ہے کہ اس کی افادیت دوچند ہو گئی ہے اور اس کا تداول اس درجہ عام ہو گیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف اس کتاب کو نسبت دی جانے لگی اس لیے اکثر مصنفین اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار:- حماد ابن سلیمانؒ کی وفات کے بعد ۱۲۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ جب جامعہ کوفہ کی مشہور علمی درسگاہ میں مسند فقہ و علم پر مسند آرا ہوئے تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہیں علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب

گیا۔ جس کا نام کتاب الآثار ہے یہ کتاب جو علم حدیث میں قدیم ترین کتاب ہے دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے امام صاحب سے پہلے حدیث نبویؐ کے جتنے مجموعے موجود تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے ان کو جو حدیثیں یاد تھیں انہیں بلا ترتیب قلمبند کر دیا تھا جسے امام اعظمؒ نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت عمدگی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحیح بخاری سے پہلے کوئی کتاب احادیث صحیحہ کی مدوّن نہیں کی گئی۔ ان لوگوں کے اس خیال کو غلط قرار دیتے ہوئے حافظ سیوطیؒ تنویر الحوالک میں لکھتے ہیں:

"اور حافظ مغلطائیؒ نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ امام مالک ہیں حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ مالک کی کتاب خود ان کے نزدیک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کی مقتضی ہے لیکن میں (سیوطی) کہتا ہوں کہ موطا میں جو مراسیل ہیں وہ علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان کے ائمہ کے نزدیک کہ جو مرسل کو ان کی طرح سند مانتے ہیں حجت ہیں ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں ۔۔۔۔۔ اس لیے حق یہی ہے کہ کل موطا کو صحیح کہا جائے اور کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کیا جائے"

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ علامہ مغلطائیؒ کے نزدیک اس معاملہ میں اولیت کا شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے لیکن کتاب الآثار موطا سے قبل کی تصنیف ہے جس سے موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی لئے حافظ سیوطی تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں:

"امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا۔ اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر

امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں "

(تبییض الصحیفہ ص ۲۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)

امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں بصراحت موجود ہے قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام، اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ حضرت امام اعظمؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ فرماتے تھے۔

(اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک من عن ابی حنیفہ ص ۶۸)

کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ قوت و صحت میں موطا کی روایات سے کسی طرح بھی کم نہیں اور جس طرح موطا کے مراسیل کے مؤید موجود ہیں اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے اس لیے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ سیوطی کے نزدیک موطا صحیح قرار پاتی ہے اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح اترتی ہے۔ پس موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

اسناد و روایت کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے چالیس ہزار احادیث میں سے چن کر ان کو روایت کیا ہے۔ صدرالائمہ موفق بن احمد مکی فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے "

(مناقب الامام الاعظم از صدرالائمہ ج ۱ ص ۹۵)

امام حافظ ابویحییٰ ذکریا بن یحییٰ نیشاپوری (متوفی ۲۹۸ھ) اپنی کتاب مناقب امام ابوحنیفہ میں خود امام اعظمؒ سے بہ سند نقل کرتے ہیں "میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں مگر میں نے ان میں سے تھوڑی سی حدیثیں نکالی ہیں جن سے لوگ

نفع اندوز ہوں"۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

علی بن الجعد جوھری جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاریؒ اور ابوداؤد کے استاذ ہیں فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے"

سید الحفاظ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے"

(تاریخ بغداد۔ ج ۱۳۔ ص ۲۱۹)

ان اکابر ائمہ حدیث کی شہادتوں سے واضح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ، بصرہ اور حجاز کی مشہور درس گاہوں میں برسوں علم حدیث کی تحصیل کی ہے اور آپ کی کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدوّن ہوئی اور جس کا موضوع صرف احادیثِ احکام ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہؒ نے کتاب الآثار کو احناف کی اُمّہاتِ کتب میں شمار کیا ہے۔

(قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۸۵)

کاتب: محمد عیسیٰ سرباز ی